آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ — بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۹ء — نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اگست ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

مصدّقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرب

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے کو آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے۔ قیمت سرمہ اوّل قسم عما؍ قسم دوم عہ؍ قسم سوم عہ؍ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عنا؍ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ؍ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

علاوہ ازیں میرے پاس ہر قسم کی لنگی۔ زری۔ ریشمی۔ پشاوری۔ سوتی۔ زرد۔ سیاہ۔ بادامی مشہدی۔ افسری و سفید ٹپکہ ٹسری (جسکو لوگ ریشمی کہتے ہیں) وغیرہ عا سے لیکر عہ روپے تک موجود ہیں۔ اور نیز کلاہ ہر قسم زری و سادہ اور ٹوپی رومی ہر قسم میرے پاس موجود ہے اور قیمت میں بالکل کوئی زیادتی نہیں دریافت کرلیں۔ جو چیز پسند نہ ہو۔ معقول وجہ بیان کرنے پر خریدار کو واپس کرنے کا اختیار ہے۔ خرچ آمد و رفت بذمہ خریدار۔

المشتہر

احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں

گذشتہ پرچہ میں میںنے مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اسلام کے پھیلنے کا ذکر کیا تھا۔ اگرچہ مکہ معظمہ میں کئی قسم کے مشکلات تھے جو اسلام کی اشاعت کو روکنے والے تھے۔ مگر باوجود اُن مشکلات کے اسلام ترقی کرتا گیا اور جب ہجرت کے وقت محلے کے محلے خالی ہوگئے اور اُن میں ایک متنفس بھی نظر نہ آیا تو کفار نے تعجب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اسقدر کامیابی ہوئی کہ میور جیسا متعصب عیسائی بھی تعریفی کلمات لکھنے کے بغیر رہ نہیں سکا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔ "اسوقت تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام ابھی تھوڑے اور سادہ تھے۔ آپ کی تعلیم نے ایک حیرت انگیز اور زبردست تبدیلی پیدا کی۔ ابتدائی عیسائیت کے زمانہ کے بعد کسی نے نہیں دیکھا تھا کہ اس طرح روحانی زندگی لوگوں میں پھونکی گئی ہو۔ اور ایمان ایسا قوی ہو کہ اُسکی خاطر لوگ ہر ایک قربانی کرنے کے لئے خوشی سے تیار ہوں۔ ایک نہایت ہی قدیم زمانہ سے کل جزیرۂ عرب روحانی غفلت میں ڈوبا چلا آتا تھا۔ عیسائیت یا یہودی مذہب یا کسی فلسفیانہ تحقیقات کا اہل عرب پر اس سے زیادہ اثر نہیں ہوا تھا جتنا کہ ایک ٹھہری ہوئی جھیل یا تالاب کی سطح پر خفیف سی جنبش کسی جگہ پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی سارا پانی ساکن رہتا

ہے۔ لوگ وہم پرستی۔ ظلم اور گناہ میں غرق تھے۔ یہ عام رواج تھا کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اُسکی بیویوں کو اپنی بیویاں بنا لیتا اور وہ اُسکو اسی طرح ورثہ میں ملتی تھیں جیسا کہ اُسکا دوسرا مال و متاع۔ تکبر و افلاس کی وجہ سے اُنہیں دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی تھی (جیسا کہ ہندوؤں میں بھی جاری رہی ہے) اُنکا مذہب بدترین قسم کی بُت پرستی تھی اور بجائے اسکے کہ کسی اعلیٰ ہستی پر اُنکا ایمان ہو وہ مخفی چیزوں سے وہم پرستوں کی طرح خوف کرتے تھے اور ہر ایک طرح کوشش کرتے تھے کہ اُن پوشیدہ وجودوں کو خوش کریں اور اُنکے غضب کو ٹالدیں اُنہیں زندگی یا نیک و بد کی جزا و سزا سے علی رنگ میں بالکل بے خبر تھے۔ ہجرت سے ۱۳ سال پیشتر مکہ اس گری ہوئی حالت میں بے جان کی طرح پڑا ہوا تھا۔ مگر اس ۱۳ سال کے عرصہ میں عجیب و غریب تبدیلی پیدا ہو گئی۔ کئی سو آدمیوں نے بت پرستی کو بالکل رد کر دیا خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور دل و جان سے اُس کلام کے پیرو ہو گئے جسکو وحی آسمانی یقین کرتے تھے۔ کثرت سے اور تضرع سے خدا تعالیٰ کے آگے دعائیں کرتے خدا تعالیٰ کے رحم پر بھروسہ کر کے گناہوں کی معافی چاہتے اعمال صالحہ۔ صدقہ خیرات۔ پاکیزگی اور عدل و انصاف کی پابندی میں دن رات سرگرم رہتے۔ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر اور قدیر یقین کرتے اور اُسی کو اپنا کارساز سمجھتے ہر ایک بات میں اُنکو خدا تعالیٰ کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُنہیں زندگی کی روح پھونکتے تھے اور خدا تعالیٰ کے بعد وہ ہر ایک امر میں آپ کی بلا چون و چرا اطاعت کرتے۔ اسقدر قلیل عرصہ میں مکہ میں اس تحریک کی وجہ سے کئی گروہ قائم ہو گئے اور وہ پہلے خاندانی یا قومی تعلقات کو بالائے طاق رکھکر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ مسلمانوں نے طرح طرح کی تکالیف کو بڑے صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کیا اور اگرچہ ایسا کرنے میں اُنہوں نے دانائی سے کام لیا مگر اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ جس عالی حوصلگی سے انہوں نے دشمن کے ظلم و ستم کو برداشت کیا وہ نہایت ہی قابل آفرین ہے۔ ۱۰۰ مرد و عورت نے

سے اپنے وطن مالوف کو چھوڑکر حبشہ میں جاکر پناہ لی مگر اسلام کو نہ چھوڑا۔ اِسوقت اس سے بہت زیادہ تعداد مسلمانوں کی بمعہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنے پیارے شہر سے اور اُسکے مقدس مقامات سے ہجرت کرکے مدینہ کی طرف جارہے تھے اگرچہ مکہ سے بڑھکر روئے زمین پر اُنکے لیئے کوئی مقدس جگہ نہ تھی۔ مدینہ میں بھی وہی جادو اثر تعلیم دو تین سال سے ایک بھائیوں کی جماعت اُنکے لیئے تیار کر رہی تھی جو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہؓ کی حفاظت کے لیئے اپنے خون بہا دینے کیلیئے تیار تھی مدینہ والوں کے کانوں میں ایک مدتِ دراز سے یہودی تعلیم کی آواز گونج رہی تھی مگر وہ نہ جاگے جب تک کہ نبی عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح ہلا دینے والی آواز کو انہوں نے نہ سنا۔ اب وہ ناگہاں خوابِ غفلت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور انمیں ایک نئی زندگی اور نئی روح پیدا ہوگئی۔"

مدینہ منورہ میں اسلام کا پھیلنا

اب مسلمان مکہ معظمہ کو چھوڑکر مدینہ منورہ میں ہجرت کرکے چلے گئے اب دیکھئے کہ اس نئے شہر میں اسلام کس طرح پھیلا۔

یہاں اسلام کے آگے اس قسم کی رکاوٹیں نہیں تھیں جیسی کہ مکہ معظمہ میں تھیں اس لیئے اس شہر میں اسلام بہت جلد ہی پھیل گیا۔ اہل مدینہ میں اسلام کی ابتدا اُسوقت ہوئی جبکہ چھ آدمیوں نے ہجرت سے قریباً ۳ سال پہلے حج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کیا۔ جب یہ لوگ مدینہ میں واپس آئے تو انہوں نے شہر میں اسلام کا اور اسلام کے نبی کا چرچا شروع کیا اور جب دوسرے سال حج کا موقعہ آیا تو ۱۲ آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ معظمہ میں آئے اور آپکے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اس دفعہ ان مسلمانوں کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ میں اسلام کی تبلیغ کرنے کیلیئے تشریف لے گئے اس خادم اسلام کو عجیب کامیابی حاصل ہوئی۔ اس نے اسد ابن زرارہ

کے مکان میں رہائش اختیار کی اور اپنے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح قرآن شریف کے ذریعہ لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچنا شروع کیا۔ اگرچہ یہاں مسلمانوں کو م مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر پھر بھی یہاں ایک حد تک مخالفت کی گئی۔ مندرجہ ذیل قصہ سے واضح ہو جائے گا کہ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کس طریق سے اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ اور یہ بھی واضح ہو جائیگا کہ اوّل اوّل انکو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک روز حضرت مصعبؓ بعض نومسلموں کو ایک مکان میں اسلام کی تعلیم دے رہے تھے جو ظفر کے بیٹوں کا مکان تھا۔ سعد ابن معاذ کو جو بنی اوس کا رئیس تھا اس امر کی خبر ہوئی۔ اُس نے اُسید کو کہا جو اسی قبیلہ کا ایک سردار تھا کہ اس واعظ اور اسکے ساتھی (اسد) کو ہمارے محلہ میں سے نکالدو۔ اور مَیں تجھے یہ تکلیف نہ دیتا مگر چونکہ میرا اسد سے رشتہ ہے اسلیئے یہ امر مجھے مانع ہے کہ یہ کام میں خود کروں۔ اسپر اُسید نے برچھا لیا اور غصہ سے بھرا ہوا۔ دروازہ کھول اندر داخل ہوا اور بولا۔ کونسی چیز تمھیں اسجگہ لائی ہے۔ کیا تم ہمارے نوجوانوں اور نادانوں کو گمراہ کرنے کے واسطے یہاں آئے ہو اگر تمھیں اپنی جانیں پیاری ہیں تو یہاں سے نکل جاؤ۔ جواب میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے نرمی سے کہا۔ آپ بیٹھ جائیں اور سنیں۔ اگر آپ کوئی ایسی بات سنیں جو آپ کو ناپسند ہو تو پھر ہم یہاں سے چلے جاوینگے۔ اُسید نے زمین میں اپنا برچھا گاڑ دیا اور سننے کے لیئے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کے بعض حصے سنائے اور اسلام کے اصول سمجھائے۔ اور اُسید پر ایسا اثر ہوا کہ وہ سُنکر بول اُٹھا اس مذہب میں داخل ہونے کے لیئے مَیں کیا کروں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ غسل کرکے اپنا بدن پاک کرو اور پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اُسید نے ایسا ہی کیا اور کلمہ طیبہ پڑھکر اسلام قبول کیا۔ پھر کہا کہ میرے بعد ایک اور ہے سعد ابن معاذ میں اُسکو تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔ اسکو اس مذہب کی تبلیغ کرو۔ اسکے بعد جلدی ہی سعد ابن معاذ غضب سے بھرا ہوا آیا اور کہا کیا تم اس امر کی جرأت

م ایسی سخت مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جیسا کہ انکو مکہ معظمہ میں

کرتے ہو کہ ہم میں ایسی باتیں پھیلاؤ جو ہمارے مذہب کے برخلاف ہیں۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا کہ تم ہمارے مذہب کو کیوں برا کہتے ہو جبکہ تم نے ابھی سنا ہی نہیں کہ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اسپر سعد ابن معاذ بیٹھ گئے اور سننے لگے اور اسی جگہ قرآن شریف کی پاک تعلیم سے متاثر ہو کر مذہب اسلام کو قبول کر لیا۔ سعد ابن معاذ جیسے بارعب آدمیوں کے اسلام لانے کے بعد حضرت مصعبؓ کھلے طور پر اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے اور انکو اس مبارک کام میں ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ ایک سال کے عرصہ میں کوئی ایسا گھر شاذ و نادر ہو گا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔

اس حیرت انگیز کامیابی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مدینہ کے لوگ اپنی بت پرستی پر پہلے ثابت قدم نہ تھے۔ وہ اپنے پرانے مذہب میں کیسے پکے تھے یہ امر اس سے واضح ہو جائے گا کہ تین صدیوں سے وہ مہذب اور تعلیم یافتہ یہود کے پاس رہتے تھے مگر کسی نے یہودیوں کی توحید کی تعلیم کو قبول نہ کیا اور اپنی بت پرستی پر قائم رہے۔ مگر جب اسلام آیا اور اسلام کا ایک واعظ قرآن مجید کی مقدس کتاب ہاتھ میں لیکر انہیں کھڑا ہو گیا تو جو کام یہودیت صدیوں میں کرنے سے عاجز رہ گئی تھی۔ وہ اسلام کے ایک مشنری نے چند دنوں میں خدا کے فضل سے پورا کر کے دکھا دیا۔ اور جس بت پرستی نے صدیوں تک یہودیت کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا تھا وہ اسلام کے آنے پر ٹھہر نہ سکی۔ سر ولیم میور لکھتا ہے "یہ نیا مذہب (مدینہ میں) ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف اور ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ کی طرف پھیلتا گیا۔ یہودی حیرت زدہ ہو کر دیکھتے تھے۔ جن لوگوں کو وہ سمجھا سمجھا کر تھک گئے تھے کہ بت پرستی ایک غلط راہ ہے وہی لوگ اب خود بخود اپنے بتوں کو گھروں سے نکال نکال کر چمگادڑوں چوہوں اور چھچھوندروں کے حوالے کر رہے تھے اور ایک ہی خدائے قدوس کا نام انکے دل اور زبان پر جاری تھا۔"

اہل مدینہ کے دلوں میں جو بتوں کی عزت تھی اب اسکی جگہ سخت نفرت کا قیام ہو گیا پرانے عربوں کو بت پرستی سے کیسا انس تھا اور پھر یہ انس کیسی نفرت

میں تبدیل ہوگیا اسکی تشریح کے لیئے ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے
"مدینہ کے دوسرے لوگوں کی طرح ایک سن رسیدہ عرب رئیس کے گھر میں
ایک بُت تھا نو عمر مسلمان اس بُت کو ایک گندے کنوئیں میں پھینک آتے لیکن
بڈھا کنوئیں پر جاتا اور اپنے ٹھاکر کو نکالکر اشنان کراتا اور دھوپ دیکر پھر گھر میں رکھتا
تھا۔ مگر پھینکنے والے بھی رُکنے والے نہیں تھے اُنہوں نے ایک دن ٹھاکر جی کو
ایک مردہ کُتے کی ٹانگ سے باندھکر اُسی کنوئیں میں ڈبو دیا۔ اب ٹھاکر جی کی تمام
عظمت کا خاتمہ ہوگیا اور اُنکے بڈھے بیوک کو ہمیشہ کے لیئے اپنے خود ساختہ خدا کو
سلام کرنا پڑا" اللہ۔ اللہ وہ بُت جنکی کسی وقت گاڈ یعنی دیوتا کے طور پر پرستش
ہوتی تھی اب اُنکی قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہ ایک مردہ ڈاگ یعنی کُتے سے
بھی بدتر خیال کیئے جاتے تھے۔ سبحان اللہ۔ یہ پاک تبدیلی تھی جو نور اسلام نے
اہل مدینہ کے دلوں میں ایک آن کی آن میں پیدا کردی۔ چونکہ اہل مدینہ کو بُت پرستی
ترک کرنے اور نیا مذہب اختیار کرنے میں کوئی دنیوی مفاد مانع نہ تھے اور نہی
اُنکے رؤسا سرداران مکّہ کی طرح کسی مندر کے متولی تھے۔ اور اہل مکہ کی طرح انکو یہ
اندیشہ نہیں تھا کہ قبول اسلام سے اُنکی عظمت میں فرق آئیگا۔ اسلیئے مکہ کی طرح اسجگہ
مسلمانوں کو ایذا دہی کی کوشش نہ کی گئی۔ مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں نے مکہ والوں
کی طرح اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے سے اعراض کیا بلکہ خود نئے مذہب کو
قبول کرلیا۔ اور چونکہ ایذا دہی کا بہت کم خطرہ تھا اسلیئے لوگوں نے کثرت سے نبی عربی
صلعم کی حلقہ بگوشی اختیار کرلی اگر اسلام کے راستہ میں کوئی سدّ راہ تھی تو وہ محض
ان لوگوں کی بُت پرستی سے پُرانی محبت تھی مگر وحی الٰہی کے پُر زور اثر نے اسپر
غلبہ پالیا۔

" اسلام کو تلوار سے پھیلانے کا اعتراض کرنیوالے یہاں سے ایک سبق حاصل
کریں ایک تن تنہا بے یار و مددگار واعظ بُت پرستوں کی ایک بڑی قوم میں وعظ
کرتا ہے اور ایک ہی سال میں یہ کامیابی ہوتی ہے کہ اصنام پرستوں کی بڑی جماعت

اسلام میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس شخص کے ہاتھ میں کونسا ہتھیار تھا؟ قرآن پاک تھا اور اسی ہتھیار نے عجائبات کا مشاہدہ کرادیا۔ ہاں! یہی ایک ہتھیار تھا جسکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں استعمال کیا اور یہی ایک آلۂ حرب تھا جسکو آپکے تابعین ہر موقعہ اور ہر جگہ پر جہاں کہیں وہ گئے کام میں لائے۔

کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ اسی حربہ کا شکار ہوئے اور یہ قرآن پاک ہی تھا جسکو پڑھکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سامعین پر جادو ڈالا اور انکو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ قریش اسکی طاقتوں سے واقف تھے اور اسکو 'جادو' کہتے تھے وہ اپنے شہر والوں کو نصیحت کرتے تھے کہ قرآن شریف کو نہ سنیں۔ جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو وہ اس غرض سے شور کرتے کہ پڑھنے والے کی آواز سامعین کے کان تک نہ پہنچے اور اس طرح سے وہ جادو بھری آیات کا شکار نہ ہوجائیں۔ قرآن مجید اس امر کی طرف اشارہ کرکے فرماتا ہے " وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھٰذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون۔ ترجمہ۔ کفار کہتے ہیں اس قرآن کو مت سنو بلکہ بک بک کرو بیچ اسکے تاکہ تم غالب آجاؤ" یعنی شور مچا کر سننے نہ دو اس وعظ کو اسقدر کامیابی ہوئی کہ دوسرے سال جب حج کا موسم آیا تو ۷۳ نومسلم مکہ معظمہ میں اس غرض کے لئے آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں لیجائیں اور دشمنوں کے ظلم سے آپکو بچائیں۔ لیکن صرف یہی ۷۳ آدمی نومسلم نہیں تھے بلکہ صرف ان لوگوں کے قائم مقام تھے جو کہ پیچھے مدینہ میں رہے تھے۔

مدینہ میں آنحضرتؐ کا استقبال

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہنچے تو فرطِ خوشی سے بچّے بھی آپکی آمد کے گیت گاتے تھے اور کہتے تھے ھٰذا رسول اللہ قد جاء۔ مسلمان فوراً ہر طرف سے قبا میں پہنچ گئے جہانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے قیام فرمایا تھا۔ نبی کریم ان لوگوں سے بڑی محبت کے ساتھ پیش آئے اور انکو

نصیحۃً فرمایا کہ اس خوشی کے اظہار میں اپنے پڑوسی کو امن کا سلام پہنچاؤ۔ غریبوں کو خیرات دو۔ قرابت کے رشتوں کو مضبوط کرو اور جب لوگ سوتے ہوں تم دعائیں کرو اس طرح تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے۔ چار روز تک قبا میں ٹھہر کر نبی کریم ؐ شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کے خاندان کے خاندان اور قبیلے کے قبیلے حضور کی زیارت کے لیئے آئے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور پُر نور کی خاطر و مدارات میں دوسرے سے سبقت لیجائے۔ جب آنحضرت ؐ شہر کے کوچوں میں گذر رہے تھے تو جس قبیلہ کے گھروں کے پاس سے آپ کا گذر ہوتا تھا وہ آپ کی سواری کی باگ کو پکڑ کر عرض کرتے یا رسول اللہ۔ ھلم الینا الی العدد والعدۃ والمنعۃ۔ یا رسول اللہ! ہمارے یہاں قیام فرمائیے۔ ہمارے یہاں سامان مدافعت۔ آلات حرب کی کثرت اور کافی جماعت ہے۔ ہمارے ہاں ہی آرام فرماویں۔ آپ جواب میں فرماتے۔ خلوا سبیلھا فانھا مامورۃ۔ یعنی اس اونٹنی کو چھوڑ دو۔ یہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کا وعظ

مدینہ میں قیام پذیر ہونیکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس امر کی طرف پہلے توجہ فرمائی وہ تعمیر مسجد تھی اور اس کام میں آنحضرت صلعم نے خود حصّہ لیا مسجد میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اپنا بہت سا وقت گذارتے تھے۔ اور یہاں ہی حضور روزانہ نمازیں ادا کرتے تھے۔ یہاں ہی آنحضرت صلعم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ آنحضرت صلعم کا خطبہ اور آسمانی وحی کے سننے کے لیئے شائقین کا ایک بڑا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ اور چونکہ اس جگہ مسلمانوں پر اس قسم کا ظلم نہیں کیا جاتا تھا جیسا کہ مکہ معظمہ میں ہوتا تھا اسلیئے اسلام نے بڑی سرعت سے ترقی شروع کی۔ صرف مسجد ہی جائے وعظ نہیں تھی بلکہ مسجد کے اندر اور باہر جہاں کہیں حضور کو موقع ملتا تھا وہیں اسلام کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ اور جس جگہ آدمیوں کا

ایک مجمع دیکھتے اُسی جگہ اسلام کا وعظ شروع کر دیتے۔ جس طریق سے آپنے اپنا وعظ مدینہ منورہ میں جاری رکھا وہ مندرجہ ذیل قصہ سے واضح ہوجاتا ہے۔ " ایک دن آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کیلئے تشریف لیجا رہے تھے۔ تو آپ کا گذر مشرکین اور یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ آپ وہاں بیٹھ گئے اور فرقان حمید کا کچھ حصہ پڑھا اور اُن لوگوں کو مذہب حقہ کی دعوت دی۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن اُبی بھی تھا جو کہ ذاتی اغراض کے باعث نبی کریمؐ کا دشمن تھا جب آنحضرت صلعم بیان فرما چکے تو وہ کہنے لگا جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہو تو یہ نہایت ہی عمدہ کلام ہے۔ اگر آپکے پاس کوئی جائے تو ایسا وعظ آپ اُسکو سنایا کریں۔ دوسروں کو آپ تکلیف نہ دیا کریں۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کا یہ کلام سعد کو سنایا تو اُس نے قسم اُٹھا کر بیان کیا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہم نے اُسکو اپنا بادشاہ بنانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اور اب وہ صریحاً دیکھتا ہے کہ حضور نے اُسکے ہاتھ سے ریاست چھین لی ہے یہی وجہ ہے کہ اُسکو آپسے بغض ہے۔ آپ اُس سے درگذر فرمادیں اور اُسکے قول کی کچھ پروا نہ کریں۔ آپنے پوری سرگرمی سے اپنا کام جاری رکھا اور اسلام کی بنیادیں دن بدن مستحکم اور مضبوط ہوتی گئیں

قریش کی دشمنی

اب مَیں قریش مکہ کا کچھ ذکر کرتا ہوں۔ میور کہتا ہے کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم اور صحابہ کرامؓ کے مکہ معظمہ سے چلے جانے پر خوش تھے۔ اور اگر نبی کریمؐ کی طرف سے زیادتی نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرتے۔

میور یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریمؐ یا آپکے صحابہؓ نے آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق قریش کے قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی اس زیادتی کی وجہ سے امن پسند اور صلح جو قریش مجبور ہوئے کہ نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ سے جو در اصل اُنکے خویش واقارب ہی تھے۔ برسر پیکار ہوں۔ لیکن ہم سوال کرتے ہیں کہ یہ عجیب تبدیلی قریش

میں یکایک کس طرح پیدا ہوگئی ؟ انہوں نے کیونکر اپنے خیالات کو فوراً بدل لیا ؟ اگر مکہ سے مسلمانوں کے جانے پر وہ خوش تھے تو مہاجرین کے اُس دستے کا بحیرہ قلزم تک کیوں تعاقب کیا ؟ جو کہ اُنکے ظلم سے تنگ آکر ایک عیسائی ملک میں پناہ لینے جا رہے تھے۔ پھر حبشہ کے بادشاہ کے پاس ایلچی اور قیمتی تحائف بھیجکر کیوں درخواست کی کہ ان مہاجرین کو اُنکے حوالے کردے ؟ پھر ہم پوچھتے ہیں کہ قریش اُن مسلمانوں پر کیوں خفا ہوئے ؟ جو کہ مدینہ سے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کو قریش کے مظالم سے بچا کر اپنی پناہ میں لینے کے لیئے آئے تھے ؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے مدینہ کے مسلمانوں کا اُنکی روانگی کے بعد تعاقب کیا ؟ اور انہیں سے دو کو پکڑ بھی لیا۔ پھر کیا سبب ہے کہ جب ان دو میں سے ایک بچ کر نکل گیا تو دوسرے کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے شہر میں لائے ؟ اور جب مسلمانوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کیوں انہوں نے دُگنی سختی سے اپنے عزیز و اقارب کو طرح طرح کے عذاب دینے شروع کیئے ؟ کیا اُنکی ہجرت کو روکنے کے لیئے ہر طرح کی کوششیں نہیں کی گئیں ؟ کیا بعض کو قید میں ڈالا نہیں گیا ؟ اور بعض کو ارتداد پر مجبور نہیں کیا گیا ؟ کیا وہ بعض مسلمانوں کو مدینہ کے قریب سے پکڑ نہیں لائے تھے ؟ اور کیا اُنکے ہاتھ پیٹھ پر باندھکر اُنکو گھسیٹ کر شہر میں نہیں لے گئے تھے ؟ اور کیا وہ ان سختیوں کے وقت اہل شہر سے یہ نہیں کہتے تھے کہ تم بھی ان جہلا سے ایسا ہی سلوک کرو۔ جب حضرت نبی کریم مکہ میں ہجرت کے لیئے الٰہی حکم کا انتظار کر رہے تھے کیا اسوقت یہ ارادہ نہیں کیا گیا تھا کہ سب ملکر آپ پر حملہ کریں اور آپکی زندگی کا خاتمہ کر دیں ؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تو کیا آپکے قتل کے لیئے انعام مقرر نہیں کیا گیا تھا ؟ اور کیا آنحضرتؐ کی تلاش کے لیئے ہر طرف سوار نہیں دوڑائے گئے تھے ؟ جب قریش کی یہ حالت تھی تو ہم میور صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خونخوار بھیڑیئے کیونکر یک بیک غریب بے ضرر بھیڑیں بن گئیں ؟ آہ ! ایسے مورخ سے کیا انصاف کی امید ہو سکتی ہے جو کہ اپنے جبلی عیسائی تعصب میں ایسا غلطان ہے کہ خونخوار قریش کو تمام الزامات سے بری کرتا ہے

اور حضرت نبی کریمؐ کو باوجود مظلوم ہونے کے زیادتی کرنیوالا ٹھہراتا ہے اور ابتدائی جنگ کا الزام اُنکے سر پر رکھتا ہے۔

حضرت نبی کریمؐ کو قریش کے حملہ کا اندیشہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی دفعہ حج کے موقعہ پر مدینہ کے ایک چھوٹے سے گروہ سے ملاقات ہوئی تو آنکو اپنے مذہب کی تبلیغ کرنیکے بعد آپ نے اپنی مشکلات کا حال سنایا۔ اور فرمایا کہ "کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ مدینہ والے مظلوم مسلمانوں کو قریش کی تعدیوں سے پناہ دیں" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس امر کا بخوبی یقین تھا کہ اگر آپ اور آپکے صحابہ کسی دوسری جگہ ہجرت بھی کر گئے تو قریش ضرور اُنکا تعاقب کرینگے آپ میور اور دوسرے وقائع نگاروں کی نسبت اپنی حالات زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے اور حضور کو معلوم تھا کہ قریش اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑنے پر تلے ہوئے ہیں اور انکو یہ بھی گوارا نہ ہو سکیگا کہ مسلمان کسی دُور دراز شہر میں بھی امن سے زندگی بسر کریں۔ یہی باعث تھا کہ آپنے مدینہ کو ہجرت کرنے سے پیشتر مدینہ کے نومسلموں سے اسبات کا پختہ وعدہ لیا کہ وہ آپ اور آپکے رفقا کی حفاظت اس طرح کریں۔ گے جیسا کہ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے چچا عباس جو ابھی تک غیر مسلم تھے اُنکی تقریر سے بھی صاف عیاں ہوتا ہے کہ قریش کا ارادہ تھا کہ مسلمان خواہ کہیں جائیں وہ اُنکا تعاقب کرینگے۔ عباس نے مدینہ کے نومسلموں سے جو آنحضرتؐ کے پاس مدینہ میں پناہ دینے کا پیام لائے تھے اس طرح کہا "اے بنی خزرج اس معاملہ کو غور سے سوچو اور نفع نقصان کا اندازہ کر لو۔ اگر تمھارا مصمم ارادہ ہو اور پھر تم اُنکی حفاظت کے قابل بھی ہو تو عہد کرو۔ لیکن اگر تمھیں شک ہو کہ تم اس قابل نہ ہوگے تو فوراً اس تجویز کو چھوڑ دو"۔

ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ عباس جو کہ اسلام اور مسلمانوں کی تکالیف سے پورے طور پر واقف تھا اُسکی رائے میں حضرت نبی کریمؐ اور مسلمانوں کے بلانے میں

اہل مدینہ ایک نہایت خطرناک امر کو اپنے ذمہ لے رہے تھے اور اسکو یہ بھی یقین تھا کہ اگر اہل مدینہ ان مہاجرین کو آنکے بے رحم ایذا دہندوں سے محفوظ نہ رکھ سکے تو آنحضرت اور اُنکے ساتھیوں کی جانیں معرض خطر میں ہونگی۔ حضرت نبی کریمؐ اور آپکے چچا عباس کی رائے میں یہ یقینی امر تھا کہ قریش مسلمانوں کی اس نئی جائے پناہ پر ضرور حملہ آور ہونگے اور بعد کے واقعات نے اُنکی رائے کو بالکل راست ثابت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت تک مکہ کو نہ چھوڑا جبتک کہ اہل مدینہ سے اس امر کا پختہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ آنحضرتؐ اور آپکے ساتھیوں کی حفاظت وحمایت میں جان ومال سے بھی دریغ نہ کرینگے۔

چھپے دشمن

بھلا یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آکر مکہ کے دشمنوں سے غافل رہتے؟ آپنے آتے ہی قریش کے اس آنیوالے حملہ سے اپنا بچاؤ کرنیکے لیئے مناسب تیاریاں شروع کر دیں اگرچہ حضرت نبی کریمؐ اور مسلمان مدینہ میں مشرکین مدینہ کی تعدیوں سے محفوظ تھے مگر یہاں آکر آپکو نئے رنگ کے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ بہت سے اہل مدینہ مسلمان ہوچکے تھے مگر اُنکی ایک بڑی جماعت ابھی تک اسلام میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ آنحضرتؐ کی دشمن تھی۔ عبداللہ بن اُبیّ جسکا پہلے ذکر ہوچکا ہے ایسے لوگوں میں سے تھا۔ ان لوگوں میں سے اکثر ظاہرا حضرت نبی کریمؐ کے حامی بنے ہوئے تھے مگر اُنکی ظاہری حمایت اُس خفیہ مخالفت پر پردہ ڈالتی تھی جو کہ علانیہ دشمنی کی نسبت زیادہ خطرناک تھی۔

یہودی

مذکورہ بالا گروہ سے بھی زیادہ خطرناک یہودیوں کی وہ قومیں تھیں جو سیکڑوں سال سے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار میں آباد تھیں اور جنہوں نے ہتھیار بند حملہ آوروں کا مقابلہ کرنیکے لیئے قلعہ بند مکان بنائے ہوئے تھے۔ وہ اُن لوگوں کے بھائی بند

اور جانشین تھے جنہوں نے اپنے ہی مسیح کو صلیب پر لٹکایا تھا۔ کیا رسول عربی
جو بنی اسرائیل کے ہمسر بنی اسمٰعیل سے پیدا ہوا تھا اور جسکی شریعت تمام پہلی
شریعتوں کو منسوخ کرتی تھی۔ ان یہودیوں کے ہاتھ سے اُس مسیح کی نسبت بہتر سلوک
کی امید کر سکتا تھا جو کہ انہی کی نسل سے پیدا ہوا اور دعویٰ بھی کیا کہ موسوی شریعت کا
ایک شعشہ بھی تبدیل نہ کیا جائیگا؟

آنیوالے حملے کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں

اگرچہ یہودی اور اہل مدینہ کی ایک جماعت مسلمانوں سے سخت متنفر تھے
تاہم حضرت نبی کریمؐ کے تشریف لانے پر شہر میں اسقدر جوش پیدا ہوا کہ مذکورہ بالا
ہر دو فریق کو علانیہ مخالفت کا حوصلہ نہ ہو سکا اور اسوجہ سے یہ لوگ پہلے پہل خاموش
رہے۔ حضرت نبی کریمؐ کی عین یہی خواہش تھی کہ غیر مسلم شہر والوں اور یہودیوں سے
صلح صفائی رہے۔ آپکو یہ علم تھا کہ مسلمانوں کی مختصر سی جماعت پر قریش مع اپنے
مددگار احابیش کے ضرور حملہ آور ہونگے اور اسلیئے شہر کی حفاظت کیلیئے یہ انسب
معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ کے غیر مسلم لوگ اگر ساتھ نہ دیں تو کم از کم مسلمانوں کی راہ میں
مزاحم نہ ہوں۔ چونکہ قریش کعبہ کے متولی تھے اور عرب کی قوموں پر اسوجہ سے
اُنکا بڑا اثر تھا اور وہ آسانی سے ریگستان کی قوموں اور عرب کی دوسری اقوام کو
حضرت نبی کریمؐ کے خلاف جنگ کرنیکے لیئے اُکسا سکتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ کی
موجودگی سے اُنکے قومی مذہب کی تباہی کا اندیشہ ہو رہا تھا۔ اس لیئے رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بعض صورتوں میں یہاں آکر مکہ سے بھی زیادہ نازک
ہو گئی تھی۔ مکہ میں تو صرف قریش کی مخالفت تھی مگر مدینہ میں جیساکہ میور اقرار کرتا
ہے آپکو تمام عرب کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختصر گروہ کو
جو کہ مدینہ میں جمع تھا ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔ کم از کم شہر میں امن رکھنے کے
لیئے حضرت نبی کریمؐ نے مدینہ اور مضافات کی غیر مسلم آبادی سے ایک عہدنامہ لیا۔

جو کہ اہل مدینہ کے لیئے آنحضرتؐ کی طرف سے بمنزلہ فرمان آزادی تھا اور اُس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

”یہ فرمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ قریش ہوں خواہ اہل یثرب (مدینہ) اور سب لوگوں کو خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم کے ہوں جنہوں نے مسلمانوں سے صلح اور آشتی رکھی ہے لکھدیا ہے۔ صلح اور جنگ کی حالت سب مسلمانوں کے لیئے عام ہوگی اور کسی مسلمان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ برادران اسلام کے دشمنوں سے صلح یا جنگ کرے یہود جو ہماری حکومت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں تمام اذیتوں اور ذلتوں سے بچائے جائیں گے اور ہماری اُمت کے ساتھ مساوی حقوق اُنکو ہماری نصرت اور حمایت اور حُسن سلوک کے حاصل رہیں گے۔ یہودان بنی عوف۔ بنی نجار۔ بنی حارث۔ بنی جشم۔ بنی غالب بنی اوس اور سب ساکنان یثرب مسلمانوں کے ساتھ ملکر ایک قوم سمجھی جائے گی اور وہ اپنے اعمال مذہبی کو ویسی ہی آزادی سے بجالائیں گے جیسے مسلمان اپنے امور دینی کو ادا کرتے ہیں۔ یہود کی حفاظت اور حمایت میں جو لوگ ہیں یا جو اُنسے دوستی رکھتے ہیں اُنکو بھی تحفظ اور آزادی حاصل رہے گی۔ مجرموں کا تعاقب کیا جائیگا اور اُنکو سزا دیجائے گی۔ یہود مسلمانوں کی شرکت یثرب کے بچانے میں کریں گے .... اور تمام وہ لوگ جو اس فرمان کو قبول کریں گے یثرب میں محفوظ اور مامون رہیں گے۔ مسلمان اور یہود کے دوست و آشنا کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائیگا جیساکہ خود یہودیوں کا۔ سب سچے مسلمان اُس شخص سے بیزار رہیں گے جو کسی گناہ یا ظلم۔ نا اتفاقی یا بغاوت کا مرتکب ہوگا اور کوئی شخص کسی مجرم کی حمایت نہ کرے گا۔ گو وہ کیسا ہی قریبی اور عزیز ہو آئندہ جو تنازعات ان لوگوں میں ہونگے جو اس فرمان کو قبول کرتے ہیں اُنکا فیصلہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق رسول اللہ فرمائیں گے۔“

یہ فرمان دو وجوہ سے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اوّل اس سے ظاہر ہوتا ہے

کہ آنحضرتؐ کو قریش اور اُنکے مددگاروں کے حملے کا اندیشہ تھا۔ اور یہ بھی فکر تھا کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت تباہی سے بچ جائے اسی وجہ سے آپنے مدینہ اور اُسکے قرب وجوار کے غیر مسلم لوگوں سے عہدنامہ کرکے اس شہر کو ایسی حالت میں کردیا تھا کہ حملہ کے وقت بچاؤ کی کوشش ہوسکے۔

دوم۔ اس فرمان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملاکر ایک قوم سمجھا جائیگا اور حقوق میں مساوات رکھی جائے گی۔ اس عہدنامہ کے رو سے آپنے یہ اجازت دی کہ ہر ایک شخص اپنے اپنے مذہب پر چلنے کے لیئے آزاد ہوگا بلکہ ضرورت کے وقت نہ صرف معاہدہ کرنیوالوں کی مدد کیجائے گی بلکہ اُن لوگوں کی بھی مدد کیجائے گی جو اُن سے تعلق اور عہد رکھتے ہیں۔

اس معاہدہ میں یہود کی وہ قومیں تو شامل ہی تھیں جنکا ذکر مذکورہ بالا فرمان میں آچکا ہے مگر اُنکے علاوہ مدینہ میں مستقل رہائش رکھنے والے تمام لوگ بھی شامل کرلیئے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد نواح مدینہ میں رہنے والی یہودی اقوام یعنی بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے بھی فرمان کی شرائط کو تسلیم کرلیا۔ ان لوگوں کو بھی وہی حقوق حاصل تھے جو کہ مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اور ایسی ہی مذہبی آزادی تھی جیسی کہ خود مسلمانوں کو حاصل تھی۔

آہ! ان یہود سے بڑھکر کونسی قوم نمک حرام اور دغاباز ہوگی؟ انہوں نے ان شرائط کو محض اس غرض سے قبول کیا تھا کہ جب موقع ملے فورًا روگردانی کرلیں۔ یہ لوگ ہرگز اس قابل نہ تھے کہ اُنسے معاہدوں کی پابندی کی امید کیجاتی اور امید بھی خصوصًا ایسے لوگوں کے معاملہ میں جنسے دلی نفرت رکھتے تھے اور بالآخر اُنہوں نے ثابت کردیا کہ وہ بالکل اُس فیاضی اور دریادلی کے مستحق نہ تھے جو کہ سرور انبیاءؐ نے نہایت فراخدلی سے اس معاہدہ میں ظاہر فرمائی تھی۔

مدینہ میں ایک قسم کی سلطنت کی بنیاد

اس معاہدہ سے مدینہ کے شہر میں ایک رنگ کی جمہوری حکومت ہوگئی جسکے امیر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ جمہوریت وقتی حالات اور واقعات کا قدرتی نتیجہ تھی۔ قریش نے آنحضرتؐ اور آپکے تابعین کو نہایت ایذا رسانی کے بعد مکہ سے نکال دیا تھا۔ اور انہوں نے مدینہ کے نومسلم بھائیوں کے ہاں پناہ لی تھی۔ ملک میں کوئی حکومت نہ تھی جو کہ اس چھوٹی سی جماعت کے مال۔ جان اور عزت کو دشمنوں سے محفوظ رکھتی۔ اس لیئے اس قلیل جماعت کو دشمنوں سے اپنی آپ حفاظت کرنی پڑی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان لوگوں کے آقا اور قدرتی سردار تھے۔ آنحضرتؐ کو مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی ترقیات سے ہی واسطہ نہ تھا بلکہ اس جماعت کے اندرونی انتظامات اور غیر مسلم اقوام کے حملوں کی مدافعت کے اسباب مہیا کرنے کا فکر تھا۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ وسلم کو محض رسالت کا ہی کام نہ رہا بلکہ ایک مدبر امور سلطنت کے فرائض کو بھی انجام دینا پڑا۔ اور آپ کا پہلا ہی معاہدہ جو یہود اور مدینہ کے غیر مسلموں سے کیا گیا اس امر کا شاہد ہے کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے امور سلطنت کے ادراک میں بھی لاثانی انسان بنایا تھا۔ آپکی رائے صائب اور ارادہ زبردست تھا۔ آنحضرتؐ اپنے زمانہ میں ہی نہیں جیساکہ میور کہتا ہے بلکہ کل زمانوں میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

اس طرح یہ جمہوریت اُن حالات اور واقعات کا نتیجہ تھی جو کہ مدینہ میں مسلمانوں کو پیش آئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکومت اسوجہ سے قائم نہیں کی تھی کہ معاذ اللہ آپ کو کسی دنیوی عظمت کی خواہش تھی بلکہ آپنے جو کچھ کیا وہ مسلمانوں کے فوائد کو ملحوظ رکھکر کیا۔ ملک کی ابتری اور بے امنی کو باقاعدہ حکومت اور امن سے تبدیل کر دیا اور جو مقام پہلے پہل اس حکومت سے مستفید ہوا وہ مدینہ تھا۔

مدینہ میں عربوں کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے اسلام کی آمد سے

پہلے ان دونوں قبیلوں میں سخت دشمنی تھی۔ اور آنحضرت صلعم کی مدینہ میں تشریف آوری سے پانچ چار سال پیشتر انکی باہمی دشمنی آخری حد تک پہنچ گئی تھی۔ اور ۶۱۵ء میں ان دونوں قبائل میں بعاث کی مشہور لڑائی ہوئی۔ پہلے گو بنی اوس کو سخت شکست ہوئی اور انکو بھاگنا پڑا لیکن انکے سردار نے مارے غصہ کے اپنے تئیں ہلاک کرلیا۔ اپنے سردار کی ہلاکت دیکھکر بنی اوس کو شرم دامنگیر ہوئی اور انہوں نے اس بہادری سے بنی خزرج پر حملہ کیا کہ انکے بہت سے آدمیوں کو تہ تیغ کردیا اور انکو شکست دی۔ یہ تھی حالت مدینہ اور مدینے والوں کی جبکہ اس شہر میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اور قدرت نمائی دیکھیئے کہ اہل شہر کی پشتینی دشمنی۔ اخوت اور باہمی محبت کے خیالات سے مبدل ہوگئی یہ خوشگوار تبدیلی محض مدینہ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عرب بھر میں پھیل گئی۔ اور وہ ملک جہاں ہمیشہ جھگڑے اور دائمی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں اب ایسا تبدیل ہوا کہ گویا باغِ ارم بنگیا۔ وہ قبائل جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے تھے اب ایسے متفق ہوئے کہ حقیقی بھائی بن گئے۔

مدینہ سڈیشن کا گھر ہوگیا

باوجود اس عہدنامہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل تمام محفوظ تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے تھے تاہم بہت سے ایسے بھی تھے جنکے دلوں میں نفرت تھی ان موخرالذکر لوگوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جو آنحضرت کا سخت دشمن تھا۔ کیونکہ حضور کے تشریف لانے سے پیشتر اسکو امید تھی کہ وہ اہل مدینہ کا بادشاہ بن جائیگا اور اب اسکی تمام آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ اس شخص نے آنحضرت صلعم کو کیسا سخت جواب دیا تھا اور اسی جواب سے یہ امر صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشکلات کے وقت ایسے لوگوں پر کیونکر بھروسہ کرسکتے تھے۔ وہ گاہ بگاہ اپنے نفرت آمیز خیالات کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کی موجودگی سے آنحضرت صلعم کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ مہاجرین کے تشریف لانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس گروہ کی دشمنی کا راز طشت ازبام ہوگیا۔ ابوعامر راہب نے جو ایک جماعت کا سردار تھا

آنحضرتؐ کو علانیہ گالیاں دیں کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہو کر مریں گے، جب آنحضرتؐ کے گوش مبارک میں یہ بات پہنچی تو فرمایا "نہیں نہیں اے کاذب ایسا تیرا ہی حشر ہوگا" وہ آنحضرتؐ کا ایسا سخت دشمن تھا کہ اپنے ساتھیوں کو لیکر مکہ گیا اور قریش کو اکسایا اسی پر بس نہیں کی بلکہ جنگ اُحد میں خود بھی حصّہ لیا خدا کی قدرت ہے کہ اس جنگ میں اسکا بیٹا مسلمانوں کی طرف سے لڑکر شہید ہوا۔ جب اُس نے دیکھا کہ قریش کی دشمنی نے مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑا اور اسلام کا پاؤں عرب کی زمین پر مضبوطی سے جم رہا ہے تو وہ شام کو بھاگ گیا اور جو کچھ وہ عربوں کی مدد سے نہ کر سکا تھا اب عیسائیوں کی امداد سے کرنا چاہتا تھا۔ مگر ے

بآب گنگا و جمنا سفید نتواں کرد ٭ گلیم بخت کسانیکہ بافتند سیاہ

وہ جہاں کہیں گیا سخت ناکام اور نامراد ہوا۔ اور اسی حالت جلاوطنی میں ذلت کے ساتھ بے خان و مان ہو کر ہلاک ہوا ے چراغے را کہ ایزد برفروزد۔ کسے کو تُف زند ریشش بسوزد

سبحان اللہ خدا کے رسول کی بات کس صفائی اور زور سے پوری ہوئی ابو عامر کا وہی حشر ہوا جو اُس نے آنحضرتؐ کے لیے چاہا تھا یعنی بے خانمان ذلیل اور دیس بدر ہو کر مرا۔ مدینہ اور اسکے نواح کے یہودیوں کی اسلام سے دشمنی اب کوئی خفیہ امر نہیں تھا اُنہوں نے معاہدہ کی کُھلم کُھلا خلاف ورزی کرکے آنحضرتؐ کی ہجو میں اشعار پڑھنے اور تمسخر آمیز کلمات بکنے شروع کر دیئے اور یہاں تک بڑھے کہ مسلمان عورتوں کے متعلق بھی ہتک آمیز اشعار لکھنے شروع کر دیئے۔ چونکہ مدینہ کے منافقین بھی اس امر میں یہود سے متفق تھے اسلیئے ہجو کے اشعار جو یہودی شاعر مرد و عورتیں کہتی تھیں فوراً منافقین مدینہ کے زبان زد ہو جاتے تھے۔ ان اشعار میں اہل مدینہ پر یہ بھی الزام تھا کہ اُنہوں نے غیر لوگوں کو گھر بلا کر کل عرب کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ یہ الزام اسلیئے لگایا گیا تاکہ منافقین کو اُکسا کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کراویں۔ یہ شعر رفتہ رفتہ ہر ایک کی زبان پر جاری ہو گئے اور سڈیشن کا بیج بویا گیا۔ یہودی بڑی حیلہ ساز اور تعلیم یافتہ تھے اسلیئے اُنکے شاعروں کا عرب کے لوگوں پر بڑا اثر تھا مزید برآں

عربوں کی طرح انہیں نا اتفاقی نہیں تھی بلکہ اُن سب کا ایکا تھا اسلئے منافقین سے بڑھکر ان لوگوں کا خطرہ تھا مغضوب گروہ نے شرارت کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا اور کوشش کی کہ کسی طرح بنی اوس اور خزرج کی اقوام میں اُنکی پرانی دشمنی عود کر آئے۔ یہ دونوں قبائل چند سال پیشتر ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے مگر قبول اسلام کے بعد اخوت اور باہمی محبت اُنمیں پورے طور پر سرایت کر گئی تھی اور وہ دو قالب اور ایک جان ہو رہے تھے۔ مگر یہودیوں کی شرارت دیکھیئے کہ انہوں نے کس طرح مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام شاس بن قیس تھا خزرج اور اوس کے قوم کے نوجوانوں کو بھائیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھے اور باتیں کرتے دیکھا۔ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اُس نے ایک جوان یہودی کو اُنکے درمیان بھیجدیا اور سکھلا دیا کہ باتوں باتوں میں بغاوت کی خونریز لڑائی کا ذکر کردے اور وہ اشعار پڑھ دے جو لڑائی کے موقعہ پر پڑھے گئے تھے۔ اور اس طرح اُنکی دشمنی کے بجھے ہوئے خیالات کو دوبارہ سلگا دے۔ اس مکاری نے اپنا پورا اثر دکھلایا اور مدنی نوجوانوں کی رگوں میں عربی خون نے حرکت شروع کردی۔ حرہ نام ایک مقام میدان جنگ تجویز ہوا اور فریقین ہتھیار لانے کے لیئے روانہ ہوئے۔ اگر عین وقت پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو ضرور جنگ ہو جاتی مگر حضورؐ کے وعظ نے اُنکے دلوں کو ایسا موم کیا کہ لڑائی تو درکنار وہ روتے ہوئے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے۔

ان حالات سے حضرت نبی کریمؐ کو واضح ہو گیا کہ باوجود معاہدہ کے مدینہ کے منافق اور یہودی قبائل اُنکے دوست نہیں بلکہ اسلام کے خطرناک دشمن ہیں۔ اور آپ اس نئے شہر میں کسی طرح محفوظ نہ تھے۔ یہ شہر تو نفاق اور سڈیشن کا مرکز بن رہا تھا اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کی وفادار جماعت حضرت نبی کریم پر جان دینے کو تیار تھی مگر بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں اُنکی کیا حقیقت تھی؟ بہت سے مہاجرین تو بالکل نادار تھے اور اُنکے اخراجات انصار برداشت کرتے تھے کیونکہ آنحضرتؐ نے مہاجرین

مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان رابطہ اخوت و محبت قائم کر دیا تھا۔ بعض کو رہنے کے لیئے بھی جگہ نہ تھی اور وہ مسجد میں ہی رہتے تھے۔ اور بعض ایسے بھی تھے جنکے پاس مال تو تھا مگر ہجرت کے وقت انکو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ میں اسجگہ حضرت صہیبؓ کا قصہ بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا اس بزرگ صحابی کی نسبت حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا تھا کہ "یہ یونان کا پہلا ثمر" ہیں۔ ان کا والد یا چچا ایرانی گورنر رہ چکا تھا۔ جب حضرت صہیبؓ ابھی بچہ ہی تھے تو لٹیروں کا ایک گروہ آپکو شام کی طرف قید کر کے لے گیا۔ بعد ازاں آپ کو بدوؤں کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا جنہوں نے آپ کو مکہ کے ایک سردار کے پاس بھیجدیا اور اسنے آپ کو آزاد کر دیا اور تجارت کے ذریعہ حضرت صہیبؓ نے بہت سا مال جمع کر لیا لیکن اسلام قبول کرنے اور سردار مذکور کی وفات کے باعث انکا کوئی پناہ دہندہ نہ رہا اور مکہ کے قریش نے آپکو بے حد تکلیف دی مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کرنے کے وقت حضرت صہیبؓ کو بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح کفار قریش نے روک لیا۔ اور انسے کہا "تم یہاں ایک غریب آدمی کے طور پر آئے تھے اور تم نے ہمارے شہر میں ہی اسقدر مال جمع کیا ہے واللہ ہم تمکو مکہ سے نہیں جانے دینگے" حضرت صہیبؓ نے جواب دیا "اگر میں اپنے تمام مال کو چھوڑ دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟" قریش نے حضرت صہیبؓ کی جمع کردہ دولت پر للچا کر اس سودے کو منظور کر لیا۔ جب حضرت نبی کریمؐ نے یہ بات سنی کہ صہیبؓ نے ہجرت کی خاطر اپنا تمام اندوختہ قربان کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ ربح صہیب۔ ربح صہیب یعنی صہیب نے بہت فائدہ دینے والی تجارت کی ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ قربانیاں تھیں جو کہ مسلمانوں نے محض دین کی خاطر کیں۔

جنگ کیوں ہوئی

قصہ کوتاہ۔ اگرچہ آنحضرتؐ کے ساتھ آپکے فدائی مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت تھی مگر وہ اس قابل کہاں تھے کہ دشمنوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کرتے۔ اور مسلمان اپنے دشمنوں کی نسبت صرف تعداد میں ہی کم نہ تھے بلکہ انکے پاس آلات

حرب مہیا کرنے کا سامان بھی نہ تھا۔ نہ اُنکے اتنے بڑے تعلقات تھے جتنے کہ اُن کے دشمنوں کے تھے۔ اگر قریش اور قریش کے اُکسلائے ہوئے دوسرے عرب کے قبائل جو چاروں طرف سے آنحضرتؐ کو دُکھ دے رہے تھے۔ آپکو اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو مسلمان کبھی تلوار نیام سے نہ نکالتے۔ لیکن قریش کا غصہ تو کبھی فرو ہی نہ ہوا بلکہ برعکس اسکے ہمارے پاس کافی شہادت ہے کہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد قریش کی دشمنی کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔ یہ لوگ اب مکہ کے مہاجرین کے ہی سخت دشمن نہیں بن گئے تھے بلکہ انصار مدینہ بھی انکی آنکھ میں کھٹکتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ انہوں نے مدینہ کے حاجیوں کا تعاقب کیا تھا جبکہ وہ آنحضرتؐ کو اپنے ہاں بلانے کے لئے آئے تھے قریش کی خفگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ عرب کے باقی لوگوں کی طرح مکہ کا حج کرسکے۔ قریش کی بدارادوں سے لوگ اسقدر واقف تھے کہ جب آنحضرتؐ نے مکہ میں آنیوالی مختلف قوموں سے درخواست کی کہ وہ آپکو اپنی پناہ میں لے لیں تو انہوں نے یہ جواب دیا "انھدف نحورنا للعرب دونك" یعنی کیا ہم تمہاری خاطر اپنے تئیں کل عرب کا نشانہ بنالیں۔ ان لوگوں کو کامل یقین تھا کہ اگر آنحضرتؐ کو امداد اور پناہ دیگی تو محض قریش ہی نہیں بلکہ اُنکے زیر اثر دیگر عربی قبائل بھی دشمن ہوجائیں گے اور اس طرح کُل عرب کے ساتھ جنگ مول لینا پڑے گا۔ اہل مدینہ بھی اس امر کو خوب سمجھتے تھے اور جیسا کہ میور کہتا ہے منافقین کو اپنے انصار بھائی بندوں کی کارروائی کا افسوس تھا بڑی وجہ جو میور کے الفاظ میں یہ لوگ بیان کرتے تھے وہ یہ تھی کہ "انصار نے کم سمجھی سے ایک ایسے دیس بدر انسان کی حمایت کا ذمہ لیا ہے جسکا ساتھ دینا گویا کُل عرب کا مقابلہ کرنا ہے۔" اُسوقت کے لوگ جو معاملات اور حالات کو میور اور دوسرے مورخین سے بہتر سمجھتے تھے اس طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں مگر یہ عیسائی وقائع نگار ہیں کہ اپنی ہی ہانکے جاتے ہیں۔ اور واقعات کو وہ فرضی رنگ دیتے ہیں جو آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کے خواب میں

بھی نہ آیا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی کیا انحصار ہے اس زمانہ میں ہر ایک آدمی سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے قریش کا غضب بھڑکے گا اور جو کوئی حضرت نبی کریمؐ اور آپکے صحابہؓ کو پناہ دیگا اسکو نہ صرف قریش سے بلکہ عرب کے تمام قبائل سے جو متولیان کعبہ یعنی قریش کے زیر اثر ہیں جنگ کرنا پڑیگا۔ لیکن سر ولیم میور اور انکے ہم آہنگ مورخ تیرہ سو سال کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ قریش کے لیئے بھڑکنے کی بات ہی کونسی تھی وہ تو بلکہ خوش ہوئے تھے کہ آنحضرتؐ انسے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم کی ہجرت سے قریش کے غصہ میں کوئی کمی واقع ہونے کی امید ہوتی تو کم از کم آنحضرتؐ اور ان قوموں کو جن سے حضور نے پناہ کی درخواست کی تھی اسکا علم ہونا ضروری تھا۔ اور پھر آنحضرتؐ کو کیا ضرورت تھی کہ مدینہ والوں سے یہ وعدہ لیتے کہ وہ حضور اور آپکے صحابہؓ کی حفاظت اس طرح کرینگے جس طرح وہ اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں؟ بلکہ بجائے ایسے وعدے لینے کے انکو یقین دلا دیتے کہ مکہ سے ہماری ہجرت کے بعد قریش کے حملوں کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ ہمکو اس شہر سے جاتے ہوئے دیکھکر بہت خوش ہونگے۔ اب میور کا یہ کہنا کہ مکہ والوں نے آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کی روانگی کے بعد دشمنی کے تمام خیالات ترک کر دیئے اور یہ کہ مکہ کے قریش کی طرف سے نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی محض واقعات کے خلاف ہی نہیں بلکہ اس سے عقل کا بھی خون ہوتا ہے۔ قریش کا اصل مقصد کیا تھا؟ میں کہونگا اشاعت اسلام کو روکنا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ حج کے موقعہ پر مختلف جماعتوں کو مختلف راستوں پر اس غرض سے مقرر کر دیتے تھے کہ حاجیوں کو آپکا کلام سننے سے روکیں جہانتک انسے ہو سکا انہوں نے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا کہ اشاعت اسلام کو روک دیں اور مسلمانوں کو مکہ سے بچ کر نکلنے نہ دیں۔ نئے مذہب کی کیوں مخالفت ہوئی؟ اسکا جواب صاف ہے کہ عرب کا قومی مذہب تباہ ہوتا تھا۔ اور اسکی اشاعت سے کعبہ کے پجاریوں یعنی قریش کی عظمت میں فرق آتا تھا۔

مگر مکہ کے باہر اسلام کو کامیابی کی زیادہ اُمید تھی اسلیئے ضروری تھا کہ ہجرت کے بعد قریش اور بھی بھڑک اُٹھیں۔ بت پرستی کی بیخکنی کا ڈر تھا تو اب مکہ سے باہر یہ خوف اور بھی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ عملی طور پر اسلام نے مدینہ کے قبائل پر فتح حاصل کر لی تھی اور روز بروز دوسرے قبائل کی شمولیت کا بھی یقین ہوتا جاتا تھا بت پرستی سے اب نفرت کیجا رہی تھی اور بت پرست متولیان کعبہ دن بدن بالکل بے اختیار ہوتے جاتے تھے۔ اسلیئے قریش کو اب اس بات کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس نئے مذہب کا قلع قمع کریں اور بت پرستی کی حمایت اور اپنی عظمت کو بچائیں۔ پھر اُنکی راہ میں ابھی کوئی روک بھی نہ تھی۔ قریش کو علم تھا کہ خود مدینہ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت رکھتے اور اسلام کے سخت مخالف ہیں۔ صرف یہی بات نہ تھی بلکہ مدینہ سے ایک بااثر آدمی یعنی ابو عامر راہب مکہ کو محض اس غرض سے گیا تھا کہ قریش کو مدینہ کے مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیئے اُکسائے۔ اور ایسے حملہ کی صورت میں اُسنے محض اپنی ہی امداد کا یقین نہیں دلایا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا کہ مدینہ اور اس نواح کے یہود اور منافقین بھی قریش کا ساتھ دینگے۔ علاوہ ازیں ان دشمنانِ اسلام کو عرب کے صحرا اور وادیوں میں رہنے والے بے شمار قبائل کی اعانت اور امداد پر پورا بھروسہ اور یقین تھا۔ غریب مسلمانوں میں جو تعداد میں بھی تھوڑے تھے یہ طاقت کہاں تھی کہ وہ قریش سے برابر آسکتے اور خصوصاً اسوقت جبکہ تمام عرب قریش کی حمایت میں صف آرا ہو رہا تھا؟ اہل مدینہ جنہوں نے دیں بدر مہاجرین کی حمایت اور حفاظت کا بیڑا اُٹھایا تھا کس شمار میں آسکتے تھے جبکہ اُنکے مقابلہ میں طاقتور اور بااثر امرائے قریش تھے جنکا تمام قبائل عرب پر اثر تھا۔ مسلمانوں کے مدینہ کو ہجرت کر آنیسے اُنکی عزت میں فرق آگیا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی کوششوں میں ناکام رہے۔ اُنہوں نے اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ مگر اب اسلام کا مرکز ایک اور شہر بن گیا جہاں لوگوں کو کثرت سے

مسلمان ہوتے ہوئے دیکھکر وہ اندر ہی اندر جل رہے تھے۔ اور مدینہ میں مسلمانوں کا وجود مغرور قریش کی آنکھ میں کھٹکتا تھا کیونکہ وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہونیکے باعث عربوں کی آنکھ میں ذلیل سے ہوگئے تھے۔ اب قریش کو مسلمانوں سے دو طرح کی دشمنی تھی اوّل تو وہ نئے مذہب کی تعلیم دیتے تھے اور قریش اس نئے مذہب کا شروع ہی میں قلع قمع کرنا عین اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دوم۔ مغرور قریش کہاں چاہتے تھے کہ کوئی انکا ہمسر ہو۔ اسلیئے انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ مسلمانوں کو جو انکے ہمسر تھے بالکل کچل دیں اور اس طرح جزیرہ نمائے عرب میں اپنی طاقت اور اثر کا سکّہ بدستور رکھیں۔

پھر یہ لوگ اس بات سے بھی بے خبر نہ تھے کہ آنحضرت صلعم نے مکّہ میں ہی پیشگوئی فرمائی تھی کہ آخر کار قریش مغلوب اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اس پُر زور کلام کو یاد کرکے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطور وعدۂ نصرت نازل فرمایا تھا قریش کا جوش اور بھی موجزن ہونا چاہیئے تھا اور ضروری تھا کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہ کرتے تا اُن کو غلبہ ہو اور مسلمانوں کی پیشگوئی پوری نہ ہو۔ قریش کے وہم میں بھی یہ خیال کبھی نہیں گذرا کہ مسلمان ہم پر تعدی کرتے ہیں اور ہم مظلوم ہیں.... یہ تو ہمارے عیسائی معترضین کا ہی حصّہ تھا۔ مدعی سُست اور گواہ چست کے مقولہ پر عمل کرتے ہوئے میور اور اُنکے ہم خیال مصنف کہتے ہیں کہ غریب قریش حریص مسلمانوں کی خونخواری کا شکار ہوئے۔

آہ! کیسا سفید اور قابل شرم جھوٹ ہے جو خداوند یسوع کے بندے اسلام کی عداوت کی وجہ سے بولتے ہیں۔ ہمیں تو کہیں پتہ نہیں ملتا کہ قریش نے بھی کبھی مسلمانوں کے ظالم اور اپنے مظلوم ہونے کی شکایت کی ہو ہاں برعکس اسکے وہ اس جنگ کو سلسلہ میں خیال کرتے تھے جسکا آغاز خود اُنہوں نے کیا تھا۔ البتہ تبدیلی تھی تو یہ تھی کہ اسوقت تک مسلمان تکالیف اور صعوبتوں کو صبر سے برداشت کرتے رہے تھے مگر اب جبکہ یہ ایذا دہی قابل برداشت نہ رہی تو

انہوں نے بھی ارشاد الٰہی کے ماتحت اپنے بچاؤ کے لیئے ہتھیار اُٹھائے۔ مسلمانوں کے اس فعل نے جلتی آگ پر ایندھن کا کام دیا اور دشمنوں نے اپنی پوری طاقت اور ہر طرح کی حکمت عملیوں کو کام میں لانا شروع کر دیا۔

اس سے بڑھکر انصاف اور سچائی کا خون کیا ہو سکتا ہے کہ یہ عیسائی معترض زیادتی کا الزام آنحضرت صلعم پر لگاتے ہیں یہ لوگ قریش کے افعال کو جو تادم آخر انسے سرزد ہوئے بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ آہ! انکو ان خطرناک مظالم کا خیال تک نہیں آتا جو مسلمانوں پر قریش کے ہاتھوں ٹوٹے اور جو آخر کار اسقدر ناقابل برداشت ہوئے کہ انکو مکہ سے بھاگنا اور ایک دوسرے شہر میں پناہ لینی پڑی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ پُرسوز الفاظ قابل غور ہیں جو کہ آنحضرتؐ نے ہجرت کے آٹھ سال بعد اپنی زاد و بوم میں بطور فاتح داخل ہوتے ہوئے زبان مبارک سے فرمائے تھے۔ حضورؐ نے مکہ کے شہر کو مخاطب کر کے فرمایا "تو میرے لیئے روئے زمین پر نہایت ہی پسندیدہ اور خوشگوار مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے باہر نکال دیتے تو مَیں ہرگز تجھے نہ چھوڑتا" یہ خیالات محض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی نہ تھے بلکہ آپکے مہاجر صحابہؓ بھی یہی خیالات رکھتے تھے۔ آنحضرتؐ کے وہ الفاظ بھی قابل غور ہیں جو حضورؐ نے حُنین کی جنگ کے بعد مدینہ کے انصار کو فرمائے تھے اور وہ یہ تھے "نہیں۔ واللہ تم مجھے یہ کہہ سکتے تھے اور سچائی سے کہہ سکتے تھے کہ تم جھٹلائے ہوئے مدینے کو آئے تھے اور ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم بے کس تھے۔ ہم نے تیری مدد کی۔ تم بھاگ آئے۔ ہم نے تجھے جگہ دی۔ تم تہیدست تھے ہم نے تمکو کھانا کھلایا" یہ الفاظ حضرت نبی کریمؐ کی طرف سے ہی نہ تھے بلکہ ہر ایک مہاجر کی طرف سے تھے۔

ان الفاظ میں حضرت نبی کریمؐ اپنی اور اپنے صحابہؓ کی بے کسی کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں اور صاف بتلاتے ہیں کہ انکو کفار قریش کے ظلم نے گھر بار ترک کرنے اور اجنبی لوگوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور کیا۔ ہائے افسوس! پھر بھی عیسائی

معترض یہی کہے جاتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ کی طرف سے زیادتی تھی نہ کہ قریش کی طرف سے۔ اگر ہم مسلمانوں کے بے رحم دشمنوں کی بے شمار ظالمانہ حرکتوں کو نظرانداز بھی کردیں تو صرف ایک ہی واقعہ اس امر کے ثبوت کے لیئے کافی سے زیادہ ہے کہ آنحضرتؐ اور آپکے صحابہؓ ہتھیار اُٹھانے میں بالکل حق پر تھے یہ واقعہ قریش کی وہ ظالمانہ سازش ہے جو آنحضرتؐ کے قتل کے لیئے اُسوقت کیگئی تھی جبکہ آپ ہجرت کے لیئے ارشادِ الٰہی کا انتظار کرتے ہوئے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میور قاتلوں کی اُس جماعت کی نسبت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ کہتا ہے کہ یہ ایک وفد تھا جو آنحضرتؐ کو ملنے کے لیئے گیا تھا۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اس وفد کا ارادہ نیک تھا تو پھر رات کو اندھیرے کے وقت آنحضرتؐ کے گھر جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور پھر کیا وجہ ہوئی کہ آنحضرتؐ اس پُرامن وفد کو ملنے کی بجائے ڈر کر اپنے گھر سے بھاگ گئے اور غار میں چھپ گئے۔ میور اس بات کے بتلانے سے گریز کرتا ہے کہ قریش کے ان جوانوں کے وفد کا رات کے وقت آنیسے کیا منشا تھا۔ وہ اسکا بھی کچھ جواب نہیں دیتا کہ آنحضرتؐ کے روپوش ہوجانے پر سواروں کو کیوں تلاش میں ہر طرف دوڑایا گیا؟ اور آپکے قتل کے لیئے کیوں انعام مقرر کیا؟ مگر پھر بھی یہی کہتا ہے کہ قریش کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کرنے کے لیئے گئی تھی۔

الغرض جب یہ دیکھ لیا جائے کہ قریش نے مسلمانوں پر ہر طرح کے مظالم توڑے اور مسلمان تو درکنار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ چھوڑا۔ جنپر ہاتھ پڑ سکا انکو قید کرلیا اور جنکو لوٹ سکے اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ بعض کو نہایت ایذادہی سے قتل کیا۔ مسلمانوں اور اُنکے حمائیتوں کو برادری سے خارج کردیا۔ اور جہانتک ہوسکا انکو ہر طرح تنگ کیا۔ پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اُس معصوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے وجہ بے گناہ قتل کرنے کا خوفناک منصوبہ کیا اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ آپ اُن لوگوں کے درمیان قریبًا تنہا ہی رہ گئے تھے وغیرہ وغیرہ

تو بلا تامل یہ کہنا پڑیگا کہ زیادتی قریش کی تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی۔ افسوس ہے تو یہ ہے کہ باوجود قریش کی ان سختیوں اور ایذادہی کے عیسائی معترض اب بھی مسلمانوں کے ہتھیار اُٹھانے کو قرین انصاف نہیں سمجھتے؛ گو کہ قریش کی طرف سے حد درجہ کی بیرحمی کے فعلوں کا ثبوت ملتا ہے اور فعل بھی ایسے جنکا خاتمہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوشش پر ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی معترضین یہی کہتے جائیں گے کہ مسلمان ہی تھے جنکی طرف سے جنگ کی ابتدائی تحریک ہوئی۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

انقلاب فارس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی

اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقاً ففتقنھما۔ ترجمہ۔ کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین بند پڑے ہوئے تھے اور ہم نے ان دونوں کو کھولا؛ مذکورہ بالا آیت قرآن شریف کی سورہ ۲۰ کی اکتیسویں آیت ہے اور بعینہٖ انہی الفاظ میں ہمارے زمانہ میں خدا کے مسیح پر وحی نازل ہوئی جو اس بات کی نشانی ہے کہ آج سے تیرہ سو برس (۱۳۰۰) پہلے جو وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اسکی تکمیل اس زمانے میں ہونی تھی۔ اس آیت کا منشا یہ ہے کہ آسمان اور زمین ہر دو بند پڑے ہوئے تھے اور وہ اب کھولے گئے ہیں یہ ایک ایسا امر ہے جس سے ہر شخص بخوبی واقف ہے۔ جسوقت ہم زمینی چیزوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ مادیات میں دنیا کسقدر ترقی کر گئی ہے موجودہ زمانے میں کسقدر ایجادیں اور نامعلوم چیزیں دریافت ہوئی ہیں۔ زمین اب وہ نہیں رہی جو ہمارے آباؤ اجداد کے وقت موجود تھی۔ اسپر ایک تغیر عظیم واقع ہو گیا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ آیا جن چیزوں نے اب زمین کو زینت دے رکھی ہے کیا وہ کہیں باہر سے آئی ہیں نہیں ہرگز نہیں اسی زمین میں سے نکلی ہیں۔ یہ سب کچھ اب تک زمین میں بند پڑا ہوا تھا۔ وہ قوتیں اُسوقت بھی موجود تھیں جو اب زمین کی شکل کو تبدیل کر رہی ہیں وہ ذرائع جنکی ترقی

کے لیے لوگ آجکل اسقدر کوشاں ہیں اور جن کو بڑے بڑے مفید کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اُسوقت بھی موجود تھے ہاں فرق اتنا ہے کہ وہ بند اور بیکار پڑے ہوئے تھے۔ پس آیت شریف کا اشارہ صرف انہی خزانوں کی طرف ہے۔ زمین کے اس کھُلنے اور خزانے اُگلنے کی طرف خدائے تعالیٰ کی اس پیشین گوئی کا اشارہ ہے کہ ایک وقت وہ آنیوالا ہے کہ زمین سے مخفی خزانے ظاہر ہوجائیں گے اور اسی آیت کا دوبارہ مسیح موعود و مہدی آخر زمان پر بطور وحی کے نازل ہونا صاف تبلاتا ہے کہ یہ پیشین گوئی اس زمانے میں پوری ہوئی۔ مگر چونکہ مادّی سلسلے اور روحانی سلسلے میں ایک خاص مناسبت ہے اسلئے قرآن شریف بار بار ہماری توجہ مادّی سلسلہ کی طرف دلاکر ہمیں روحانی نتائج نکالنے کے لیئے توجہ دلاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے روح اور جسم ہردو کو پیدا کیا ہے اور جس طرح اس نے جسم کی بقا اور آسائش کے لیئے سامان مہیا کیئے ہیں اسی طرح اسنے روح کی ضروریات کے لیئے بھی سامان پیدا کیئے ہیں۔ اس زمانے میں زمین نے مادّیات میں ایک حیرتناک ترقی کی ہے۔ پس جب زمین نے اپنے کُل خزائن اور مال و متاع کو پیش کر دیا تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ آسمان اپنے خزانوں کو کھولتا؟ اگر زمین نے مادّی اشیا میں اسقدر ترقی کر لی ہے تو کیا عقل اس امر کی مقتضی نہیں کہ روحانیات میں بھی اسیقدر ترقی ہوتی؟ مسیح موعودؑ کے نزول اور بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کیا تھی؟ مَیں کہونگا کہ بہت قابل افسوس تھی۔ جب دنیا طبعیات میں اسقدر سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی تھی تو مذہب کو اس نے پسِ پُشت ڈال دیا تھا۔ واعظ تو ہر مذہب کے موجود تھے مگر ان کے ہاتھوں میں پُرانے قصّوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ اپنے وعظوں میں اور پرچاروں میں تبلایا کرتے تھے کہ انبیاءؑ گذشتہ زمانوں میں روحانی زندگی پھونکنے کے لیئے آیا کرتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت گذشتہ زمانوں کے رشیوں منیوں اولیاؤں اور نبیوں کے ساتھ کلام کرنے سے دیا کرتا تھا۔ لیکن تمام سوالوں کا ایک سوال یہ ہے کہ اگر گذشتہ زمانوں میں خدائے تعالیٰ انبیاء اس غرض کے لیئے مبعوث کیئے کہ وہ روحانی مردوں کو اپنی قدسی انفاس سے زندہ کریں تو کیا وجہ ہے کہ اس زمانے میں اس نے کوئی ایسا رسول نہیں

بھیجا جو روحانی مُردوں کو زندہ کرے حالانکہ ضرورت قرون ماضیہ سے اب بہت بڑھ چڑھکر ہے۔ اس زمانے کے محققین کے سامنے صرف کہانیاں کوئی کام نہیں دے سکتیں۔ انسے بنی نوع انسان کی روحانی پیاس نہیں بُجھ سکتی۔ پیاس بُجھانے کے لیئے پانی چاہیئے پانی کی کہانی نہیں چاہیئے۔ صرف اس بات کے کہدینے سے تسلّی نہیں ہو سکتی کہ خدا پہلے بولتا رہا ہے جب تک کہ ہماری آنکھیں خود اس بات کا مشاہدہ نہ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ نے احمدؑ* کو مبعوث کیا اور اسکے ذریعہ دنیا کو بڑے بڑے نشان دکھلائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی ہستی کا پورا یقین بیٹھ جائے۔ اور تا لوگوں کو یہ ثابت ہو جائے کہ الہام کا دروازہ کُھلا ہے اور دوسری برکات بھی اُسی طرح جاری ہیں جس طرح کہ وہ پہلے جاری تھیں بہت سی روحانی صداقتیں ایسی تھیں جو اُسکے ذریعہ دنیا پر ہویدا ہوئیں اور خدائی علوم کے وہ خزانے جو ابتک دبے پڑے تھے ظاہر ہوئے۔ اسنے گم گشتگان راہ ضلالت کو وہ راہ دکھلائی جنپر چلکر وہ لقاء اللہ حاصل کر سکتے تھے اور ان برکات کے مورد نزول ہو سکتے تھے۔ غرض یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھولدیئے جس طرح زمین کے خزائن کو کھولدیا تھا۔ وہ نشانات جو اللہ تعالیٰ نے اس کی معرفت دنیا کو دکھلائے وہ بہت سے ہیں اسلیئے ان سب کا یہاں ذکر نہیں ہو سکتا۔ مگر اس بات کے ظاہر کرنیکے لیئے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً آپسے کلام کرتا تھا اور آپ کو آئندہ کے واقعات کا اس نے بہت باریک اور گہرا علم عطا فرمایا تھا میں پڑھنے والے کی توجہ اس الہام کیطرف پھیرنا چاہتا ہوں جو آپنے ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۶ء کو شائع کیا۔ اس دن اللہ تعالیٰ آپسے یوں مخاطب ہوا "تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد" یعنی شاہ فارس کے محل میں تزلزل پڑ گیا یہ الہام ریویو آف ریلیجنز اردو ایڈیشن ماہ جنوری ۱۹۰۶ء اور مقامی اخبار الحکم اور بدر میں شائع ہو گیا تھا۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی کہ ایران کی سلطنت میں ایک انقلاب عظیم واقع ہونیوالا ہے جس سے شاہ کی حکومت جاتی رہے گی۔ جب یہ الہام شائع کیا گیا تھا اس وقت ایران میں ذرا بھی فساد نہ تھا۔ اسوقت کون شخص کہہ سکتا تھا کہ آئندہ کیا ہونیوالا ہے؟ ایران اسوقت مزے کی نیند سو رہا تھا۔ کسی کو وہم تک بھی نہ تھا

* انا ارسلنا احمد الی قومہ فاعرضوا (حقیقۃ الوحی نشان نمبر ۱۱۹ صفحہ ۲۶۸ آیۃ الرحمٰن)

کہ یہاں جمہوری سلطنت ہونی چاہیئے۔ یک لخت مظفرالدین کو خیال اُٹھا اور معلوم نہیں
کس رنگ میں آکر اس نے رعایا کو دستوری حکومت دیدی۔ اسکے بعد وہ کئی ماہ زندہ رہا
اور اپنے وعدہ پر پکا رہا۔ اس کی وفات کے بعد محمد علی شاہ جو ابھی معزول ہوا ہے تخت پر
بیٹھا اور پہلے پہل یہ اس جمہوری سلطنت کا بہت طرفدار تھا چنانچہ اسنے کئی دفعہ علانیہ
طور پر کہا کہ مَیں اپنے باپ کے وعدوں پر قائم ہوں اور ان سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹنے کا۔
چند ماہ اچھی طرح سے گذر گئے مگر پھر یک لخت بادشاہ کا خیال بدل گیا اور اپنے باپ کے وعدوں کو
بالائے طاق رکھکر حامیانِ دستور کے درپے آزار ہوگیا۔ پہلے پارلیمنٹ کا گھر اُڑوا دیا
بعض کو قتل اور بعض کو جلاوطن کر دیا اور آہستہ آہستہ تمام شہر اپنے اقتدار میں لے آیا
مگر ایک تبریز مخالفت پر اڑ گیا۔ تبریز کا محاصرہ شروع ہوگیا مگر خدا کی قدرت دیکھیئے کہ
ایک وہ وقت کہ حامیان پارلیمنٹ کو بھاگتے پناہ نہیں ملتی تھی یا اب یہ ہے کہ انہوں نے
محمد علی شاہ کو تخت سے اُتار دیا ہے اور اسکی جگہ ایک نوعمر لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔
تمام ملک میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ تجارت بند ہے راہیں مسدود ہیں۔ چاروں
طرف سے ڈاکوؤں نے لوٹ مار شروع کر دی ہے یہ ہیں خدا کی باتیں اور اس طرح وہ
پوری ہوا کرتی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس پیشین گوئی کو شائع کر دیا جس میں لکھا تھا
کہ عنقریب ایران میں انقلاب عظیم واقع ہونیوالا ہے جو فرمانروائے ملک کی حکومت کو
جڑھ سے ہلا دیگا۔ کس صفائی سے یہ پیشین گوئی پوری ہوئی ہے۔ یہ پیشگوئی ایسے وقت
میں شائع کی گئی جبکہ ملک میں بالکل امن تھا اور اس زلزلہ کا نشان تک بھی نہ تھا جس نے
محمد علی قاچار کے تختِ حکومت کی جڑھیں تک اُکھیڑ دی ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے اس
آسمانی تار خبر کو رپوٹر کی تار خبر سے بہت عرصہ پہلے اخبارات میں شائع کر دیا تھا۔ یہ خدا
کا عجیب نشان ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کا ایک صاف ثبوت ہے جسکو تمام آئندہ واقعات
کا علم ہے اور جو اپنے رسولوں سے کلام کرتا ہے اور اُن کو بہت سی ایسی چیزوں کی اطلاع
دیتا ہے جو ابھی ہستی میں نہیں آئیں۔ چونکہ آپکا مشن کل دنیا کے لیئے تھا اسلیئے اللہ
تعالیٰ نے بعض ایسے واقعات کے متعلق اطلاع دی جن کا تعلق تمام دنیا سے ہے تاکہ لوگوں کی

توجہ پیشین گوئیوں کی طرف لگ جائے اور اُنکا پورا ہونا سب کے لیئے ایک نشان ٹھہرے۔
آپ چونکہ کُل دنیا کے لیئے مبعوث ہوئے تھے اسلیئے دُور دراز کے ملکوں نے آپکے
نشانات دیکھے ہیں اور آپکی زور آور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دیکھیں گے تاکہ تمام زمینیں
آپکی صداقت کی گواہ ٹھہریں۔ آپکی پیشگوئیاں پنجاب تک کے لیے محدود نہیں بلکہ انکا تعلق
تمام کُرۂ ارض سے ہے کیونکہ آپ تمام کی طرف مبعوث ہو کر آئے تھے۔ بہت سی
پیشگوئیاں آپکی زندگی میں پوری ہوئیں بہت سی آپکے بعد پوری ہوئیں اور بہت سی
ایسی ہیں جو ابھی پوری ہونیوالی ہیں۔ اگرچہ آپ کا وصال ہو چکا مگر آپ بہت سی زور آور
پیشگوئیاں چھوڑ چلے ہیں اور دنیا ان کو پورا ہوتے دیکھتی رہے گی جیسا کہ آپکی زندگی
میں وہ پورا ہوتے دیکھتی رہی ہے۔ اسلیئے آپ ابتک زندہ ہیں کیونکہ آپ ابتک اپنا کام
کیئے چلے جاتے ہیں اگرچہ آپ اس دنیا کی نظروں سے غائب ہو گئے ہیں مگر آپ ابھی تک
اپنی ان پیشگوئیوں کے ذریعہ جو اب پوری ہو رہی ہیں ہمیں خدائے تعالٰی کے قرب
کی طرف لیئے چلے جاتے ہیں۔ آپ اس دنیا میں تشریف لائے اور اپنے ساتھ روحانی
عطریات کی وہ خوشبوئیں لائے جنہوں نے ہمارے روحانی حواس کو معطر کر دیا اور اگرچہ ہم
آپ کو اپنے درمیان نہیں دیکھتے مگر وہ صحت افزا خوشبو اب بھی ہمارے حواس کو معطر کر رہی ہے۔
آپکے الہامات میں بہت سے ایسے جواہر پڑے ہوئے ہیں جو اپنے موقع پر دنیا کو اپنی روشنی سے
منور کریں گے۔ ۱۴۔ مارچ ۱۹۰۶ء کا الہام ہے "رفیقوں کو کہدیں کہ عجائب در عجائب
کام دکھلانے کا وقت آگیا ہے" ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۶ء کا الہام ہے "میں پچاس
یا ساٹھ نشان اور دکھاؤں گا" آپکے شروع الہاموں میں سے ایک الہام یہ بھی
ہے "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسے قبول نہ کیا لیکن خدا اُسکو قبول
کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا" ان زور آور حملوں سے
مراد وہ بڑے بڑے نشانات ہیں جو خدائے تعالٰی نے وقتاً فوقتاً ظاہر کیئے تاکہ وہ
آپکی صداقت کیلئے گواہ ٹھہریں۔ طاعون کا آنا اور ایسے ایسے سخت زلزلوں کا آنا جن کی
نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مثلاً سینا کا زلزلہ یہ زور آور حملوں میں سے دو مثالیں ہیں

چند ایک پیشین گوئیوں کو لکھکر جنہوں نے ابھی پورا ہونا ہے میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کیونکہ ان کا عام دنیا سے تعلق ہے۔

(۱) "کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کشتیاں"۔

(۲) "یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت ہی سخت ہوگی"۔ یہ پیشگوئی ۳۱۔ مارچ ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی۔

(۳) "ریاست کابل میں قریب پچاسی ہزار کے آدمی مریں گے"۔

اسلام کی اخلاقی طاقت

لفٹننٹ کرنل مکرجی۔ ایک بنگالی۔ نے ایک سلسلہ مضامین اخبار بنگالی میں دینا شروع کیا ہے جس کا عنوان ہے "ایک مرتی ہوئی قوم"۔ اس سے مراد راقم مضمون کی ہندو قوم ہے جسکی ترقی اعداد دوسری قوموں کے بالمقابل بہت کم نظر آتی ہے۔ اگرچہ ہندو قوم کی یہ حالت تمام صوبجات میں قریباً یکساں ہے مگر مسٹر مکرجی نے صرف بنگال خاص میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد کا مقابلہ کرکے دکھایا ہے کہ ہندو قوم کی حرکت ایسی ہے کہ اگر یہی حالت رہی تو وہ آہستہ آہستہ صفحۂ دنیا سے نابود ہو جائیگی۔ ۱۸۷۲ء میں بنگال خاص کی مردم شماری میں ہندوؤں کی تعداد ۱۷۱ لاکھ تھی اور مسلمانوں کی ۱۶۷ لاکھ یعنی ہندو مسلمانوں سے چار لاکھ زیادہ تھے۔ تیس سال بعد جو مردم شماری ہوئی ہے اس میں مسلمانوں کی تعداد تو ترقی کرکے ۲۲۰ لاکھ تک پہنچ گئی ہے مگر ہندوؤں کی تعداد صرف ۱۹۴ لاکھ تک پہنچی ہے۔ یعنی مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے چوبیس لاکھ زیادہ ہے۔ گویا تیس سال کے عرصہ میں جہاں مسلمانوں کی تعداد میں ۵۳ لاکھ کی ترقی ہوئی ہندوؤں کی تعداد میں صرف ۲۳ لاکھ کی ترقی ہوئی۔ اس تعدادی تنزل کے اسباب میں سے بڑا سبب راقم مضمون کے نزدیک ہندوؤں کے مذہبی اور تمدنی نقص ہیں جو انکی ترقی میں حائل ہو رہے ہیں۔ قوموں کی دوڑ اور ترقی کے مقابلہ میں مسٹر مکرجی مسلمانوں کو ہندوؤں کی نسبت زیادہ تیار پاتے ہیں یعنی انکی قومی

زندگی میں وہ سامان موجود ہیں جنکی وجہ سے وہ اپنے ہندو ہمسایوں کی نسبت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اخلاقی تعلیم کے ایسے سامان موجود ہیں جو انکی قومی زندگی کو قوت بخشتے ہیں۔ جاہل سے جاہل مسلمانوں کے دیہات میں بھی ہر گاؤں میں ایک مسجد ہوتی ہے جس میں ایک مُلّا مذہبی اور اخلاقی تعلیم ان لوگوں کو انکی سمجھ کے مطابق دیتا ہے۔ مسجدیں کیا ہیں؟ دراصل اخلاقی تعلیم کی درس گاہیں ہیں۔ ان مسجدوں میں عموماً پانچوقت ہر روز لوگ جمع ہوتے ہیں مگر جمعہ کے دن ایک خاص مجمع ہوتا ہے۔ اور نماز کے ساتھ وعظ بھی کیا جاتا ہے۔ یہ وعظ نہایت سادہ زبان میں عموماً اخلاق کے متعلق ہوتا ہے۔ اسطرح پر ہر گاؤں میں مسلمان باشندوں کی اخلاقی تعلیم کا پورا سامان ہے۔ مگر مسلمانوں کے لئے مذہب کا دائرہ خاص حالتوں تک محدود نہیں بلکہ مذہب انکی زندگی کا ایسا ہی ضروری جزو ہے جیسے کھانا پینا۔ گھروں میں عورتیں مذہبی فرائض کی ایسی ہی پابند پائی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسے کہ مرد۔ اور گو ہندوؤں میں ایک خاص حصّہ قوم تعلیم اور حصول زر میں مسلمانوں پر بہت سبقت لے گیا ہے۔ مگر ہندو آبادی کا بڑا حصّہ بہ سبب ذات پات کے جھگڑوں کے ایسی گری ہوئی حالت میں ہے کہ اس حصّہ کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور مسلمان اخلاقی طور پر انپر بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں"

یہ واقعات کہ مسلمان جو تیس[۳۰] سال ہوئے ہندوؤں سے چار لاکھ کم تھے اس تھوڑی سی مدّت میں چوبیس لاکھ زیادہ ہو گئے ہیں اگر کسی ایسے زمانہ یا ملک کے متعلق بیان کئے جائیں جو کسی مسلمان حکمران کی حکومت کے نیچے ہو تو ہمارے ہندو دوست خصوصاً آریہ سماجی انسے جھٹ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ مسلمانوں نے اٹھائیس[۲۸] لاکھ ہندوؤں کو بجبر مسلمان بنا لیا ہے۔ اور شائد اس نتیجہ کے ساتھ ایسے قصّے بھی مشہور کر دیں جیسے کہ اورنگ زیب کے متعلق مشہور کر رکھے ہیں کہ جبتک ہر روز کئی ہزار ہندوؤں کو بجبر مسلمان کر کے انکے جنیؤ ایک خاص مقدار میں جلا نہ لیتا تھا اسوقت تک کھانا نہ کھاتا تھا۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب اس ترقی کی وجہ ہمارے ہندو بھائیوں کو اور تلاش کرنی پڑی ہے کیونکہ بجبر مسلمان کرنیکی وجہ یہاں کام نہیں دیتی۔

ہمارے نزدیک اسلام کی زیادہ ترقی کی وجہ صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کے تمدنی اور

اخلاقی حالات ترقی تعداد کے ممد ہیں بلکہ ہندو مذہب سے اسلام کی طرف آنیکا ایک سلسلہ خود بخود جاری ہے اور گو اسلام کے ہاتھ میں کوئی مشنریوں کا بڑا مضبوط انتظام نہیں مگر اسی اخلاقی طاقت کے اندر جسکو مسٹر گاندھی جی نے بھی تسلیم کیا ہے ایک جذب موجود ہے جس سے بہت سے لوگ اسکی طرف کھینچے چلے آتے ہیں - ہاں جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں انکا نہ تو آریہ سماج کی شدھیوں کی طرح اخباروں میں شور پڑتا ہے اور نہ ہی مشنریوں کی طرح کوئی رپورٹیں شائع ہوتی ہیں - مگر یہ بات چھپی بھی نہیں رہ سکتی اور اعداد کی نمایاں ترقی خود بتا رہی ہے کہ اسلام نہ صرف اندرونی طور پر ہی ترقی کر رہا ہے بلکہ باہر سے بھی لوگوں کو اپنے ساتھ ملا رہا ہے - کاش مخالفین اسلام غور کرتے کہ جب مسلمان اس تنزل کی حالت میں بھی ایسے بڑھ رہے ہیں کہ انکی ہمسایہ قوم کی ترقی انکے بالمقابل موت کا حکم رکھتی ہے تو اسکے عروج کے وقت کیسی ترقی ہوتی ہوگی - کیا یہ ہمارا حق نہیں کہ ہم کہیں کہ جو اسباب آج اسلام کی ترقی کا باعث ہو رہے ہیں وہی گذشتہ زمانے میں بھی اسکی ترقی کا باعث تھے اور یہ بالکل سچ بات ہے کہ اسلام کی ترقی اسکے سلاطین دنیوی کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان روحانی بادشاہوں کے ذریعہ سے ہوئی ہے جنکے ناموں کو آج بھی لاکھوں ہندو عزت سے یاد کرتے ہیں پس یہ کسی مسلمان بادشاہ کی تلوار یا جبر نہ تھا جسنے آج چھ کروڑ مسلمان ہندوستان میں پیدا کر دیئے ہیں بلکہ یہ مقدس لوگوں کی روحانی تلوار تھی جو اپنا کام کر گئی - بلکہ حال ہی میں ایک فاضل یورپین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام کی پولٹیکل زوال کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی بادشاہوں نے عیسائی بادشاہوں کی طرح یہ کوشش نہیں کی کہ اپنی ساری رعایا کو ایک ہی مذہب پر چلاویں اسکی تائید واقعات سے بھی ہوتی ہے کیونکہ جہاں جہاں عیسائی سلطنتیں سیکڑوں سالوں تک رہی ہیں وہاں عیسائی مذہب ہی عام ہو گیا ہے مگر صدیوں کی اسلامی سلطنتوں کے نیچے دیگر مذاہب کے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں - پس اسلام نے جو کچھ ترقی کی اپنی اخلاقی اور روحانی قوت سے کی نہ تلوار کے ذریعہ سے -

---

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

اشاعت اسلام: مجلس معتمدین کے گذشتہ اجلاس میں جو ۸۔ اگست کو ہوا۔ امر فیصلہ طلب میں انگریزی ترجمہ لکچر مہوتسو کی چھپوائی کا سوال تھا۔ جسکے متعلق گذشتہ تین چار ماہ سے ولایت میں خط وکتابت کی جارہی تھی۔ یہ رسالہ اسلام کی تعلیم کو ایک ایسی خوبصورت اور دلکش پیرائے میں پیش کرتا ہے کہ جس کسی نے اسے پڑھا ہے وہ خواہ کسی مذہب وملت کا پیرو ہو اسکے دل پر اسلام کی عظمت وکمال کا خاص اثر ہوا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جسکے اس حصہ کو جو اسلامی بہشت و دوزخ کے متعلق ہے کونسٹ ٹالسٹائے جیسے مشہور عالم وفاضل نے جو عیسائی مذہب کا پیرو ہے پڑھکر یہ لکھا تھا کہ وہ خیالات جو اس مضمون میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ نہایت صحیح اور فاضلانہ خیالات ہیں۔ اب تک جسقدر اشاعت اسلام بیرونی ممالک میں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ہوتی رہی ہے وہ صرف رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ذریعہ ہوتی رہی ہے۔ مگر اب اس ضرورت کو محسوس کیا گیا ہے کہ الگ رسالوں اور کتابوں کے ذریعہ سے اس اشاعت کے دائرہ کو وسیع اور زیادہ مفید بنانیکی کوشش کیجاوے اسی غرض کے لئے انگریزی ترجمہ قرآن شریف کا کام بھی صدر انجمن نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے مگر چونکہ ترجمہ کی تکمیل اور اس میں بطور دیباچہ ان بڑے بڑے اعتراضوں کا جواب جو قرآن کریم کی تعلیم پر عیسائی معترضین نے کئے ہیں ایک بڑے لمبے وقت کو چاہتا ہے۔ اسلئے یہ مناسب سمجھا گیا (جیسا کہ اس سے پہلے ٹریکٹ سیریز کے متعلق اعلان میں احباب کو اطلاع دیجا چکی ہے) کہ بالفعل بعض ان چیدہ چیدہ مضامین کو جو ریویو کی گذشتہ جلدوں میں نکل چکے ہیں الگ رسالوں اور کتابوں کی صورت میں چھاپ کر ولایت میں مفت یا بہت تھوڑی قیمت پر شائع کیا جائے۔ ان جملہ مضامین میں سے سب سے بڑھ کر قیمتی مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ لکچر ہے جو جلسہ اعظم مذاہب میں دیا گیا تھا اور اسی لئے اسکی اشاعت کو سب پر مقدم کیا گیا ہے۔

اسکی چھپوائی اور اشاعت کا انتظام ولایت کی ایک مشہور کمپنی سے کیا گیا ہے۔ اور مجلس معتمدین کے گذشتہ اجلاس میں دس ہزار رسالہ کے چھاپنے کے لئے کمپنی مذکور کا ڈیڑھ سو پونڈ یعنی دو ہزار دو سو پچاس روپے کا تخمینہ چھپوائی اور ۱۶۶ پونڈ یعنی ۲۴۹۰ روپے کا تخمینہ مجلد کرانیکا منظور کیا گیا ہے۔ پس دس ہزار کتاب کی تکمیل کیلئے ۴۷۴۰ روپیہ بکار ہے۔ اسکے بعد کتاب کی اشاعت کا خرچ باقی رہ جائیگا جسپر خرچ اسوجہ سے کہ ولایت میں ہی یہ کتاب چھپیگی انشاء اللہ بہت کم ہوگا۔ اس کل کتاب میں سے یہ خیال ہے کہ قریب نصف کے بالکل مفت تقسیم کیجائے۔ اور بقیہ نصف کو لاگت پر فروخت کیا جائے اور کچھ جلدیں ہندوستان میں فروخت کیلئے منگوائی جاویں۔

اس خرچ کو منظور کرنیکے ساتھ ہی انجمن کو یہ ضرورت بھی محسوس ہوئی ہے کہ اس روپیہ کی فراہمی کے لئے احباب کی خدمت میں اپیل کیجائے۔ اس کار خیر کی ابتدا جیسا کہ احباب کو پہلے بھی اطلاع ہے ایک ہزار روپیہ کی ایک گرانقدر عطیہ سے ہوئی تھی۔ اور اس مخلص دوست نے جس نے یہ روپیہ دیا اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا۔ لیکن اشاعت اسلام کے اس نئے پہلو کی بنا اسی دوست کی تحریک اور کوشش سے رکھی گئی۔ اسکے بعد بھی کچھ روپیہ آیا ہے۔ مگر کل رقم اس فنڈ کی ابتک دو ہزار روپیہ تک بھی نہیں پہنچی۔ اور پانچ ہزار روپے کی ضرورت صرف اسی ایک کتاب کیلئے ہے۔ اسکے علاوہ دو اور چھوٹے چھوٹے رسالے بھی عنقریب چھپوائے جائیں گے کیونکہ نومبر میں ایک عظیم الشان جلسہ دنیا کے پادریوں کا بمقام آگرہ ہونیوالا ہے۔ اور مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلسلہ کے مختصر حالات میں ایک کتاب چھاپکر وہاں تقسیم کیجاوے اور ایک کتاب ضرورت قرآن پر بھی چھاپنی منظور کی ہے۔ بہرحال کم ازکم پانچ ہزار روپے کا مہیا ہونا ضروری ہے۔ علاوہ سابقہ رقم جمع شدہ کے تین ہزار سے کچھ اوپر روپیہ اس غرض کیلئے اور بکار ہے جسکے لئے احباب کیخدمت میں یہ اپیل صدر انجمن کی مجلس معتمدین کی طرف سے پیش کیجاتی ہے۔

آیا اسقدر روپیہ جمع ہو جائیگا اور اگر ہوگا تو کس طرح۔ میں اسکے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے اصل واقعات کو احباب کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان تجاویز پر غور کرنا جنسے یہ روپیہ جمع

ہوجائے یہ سلسلہ کے ان مخلصین کا کام ہے جو اسکے لیئے سچا جوش اپنے اندر پائیں۔ ہماری انجمنیں جہاں کہیں وہ ہیں اس سوال کو سرسری نظر سے نہ دیکھیں۔ اور نہ ہی یہ خیال کر لیا جائے کہ اس تین ہزار روپے کی اپیل کے بعد مجلس معتمدین کی طرف سے اور کوئی تحریک یکمشت چندوں کے لیئے نہ ہوگی کیونکہ تعمیر مدرسہ کا عظیم الشان کام سر پر ہے۔ جسکے لیئے پندرہ ہزار روپے کے صرف سے قریب پندرہ لاکھ کے اینٹ تیار پڑی ہے۔ مگر اب اصل کام کو شروع کرنیکے لیئے تیس ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ پھر اس گوشوارہ پر جو ہر مہینے ریویو کے ٹائیٹل پر چھاپا جاتا ہے۔ ایک نظر سے یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ انجمن کے قریباً ہر ایک فنڈ میں ماہوار خرچ آمد سے بڑھا ہوا ہے۔ بعض دوست اس باریک حروف کے نقشے کو جو گاہ ایک مجسم اپیل کے رنگ میں انکی خدمت میں پیش ہوتا ہے شاید پڑھتے بھی نہ ہوں مگر انجمن کی تمام قسم کی ضروریات کو مدنظر رکھکر اب وقت آگیا ہے کہ ہم ان آئے دن کے چندوں کی اپیلوں کے لیئے کوئی مستقل علاج سوچیں۔ جس سے نہ تو منتظمین کو کام کے رک جانیکی دقتیں پیش آئیں اور نہ ہی معاونین کو باربار کی تحریک سے ہر روز نئی تدابیر پر غور کرنیکی ضرورت پیش آئے یا طبیعت میں ایک گھبراہٹ پیدا ہو۔ ایک اور دقت جسکی طرف میں تفصیل سے کسی دوسرے وقت لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں یہ واقع ہوئی ہے کہ قوم کی توجہ تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ ایک تو وہ کام ہیں جنکے کرنیکا سلسلہ کی طرف سے بجٹ کے وقت یا بجٹ کی بناپر اعلان ہوجاتا ہے۔ اور جن میں در اصل وہ سب کام داخل ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد یا ایما سے شروع ہوئے۔ یہ تو گویا فرائض کے طور پر سمجھنے چاہییں اور ایک وہ کام ہیں جو کسی فرد واحد یا چند افراد کے دل میں انکے لیئے ایک زور کی تحریک پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی اس خواہش کو تحریک کے رنگ میں قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انکو زیادہ سے زیادہ نوافل کے قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے۔ اب یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نوافل کی ادائگی میں ثواب نہیں مگر اس بات کو بھی ہر ایک دانشمند تسلیم کریگا کہ جو شخص فرائض کو بالائے طاق رکھکر نوافل کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے وہ ایک غلط راہ اختیار کرتا ہے۔ اصل کام جنکا ایک طرح سے اعلان بھی دنیا کے سامنے ہوچکتا ہے وہ تو اسی طرح کے اسیطرح رکھے رہ جاتے ہیں اور قوم کی توجہ دوسری کاموں کی طرف ہوجاتی ہے یا بہرحال بٹ جاتی ہے اور وہ کام جو کل قوم کی متفقہ توجہ سے ہوسکتے تھے

ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہی بات ایک سے زیادہ مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح تقریر اور تحریر کے ذریعہ سے سمجھا چکے ہیں
مگر کل جدید لذیذ صدر انجمن احمدیہ کے کام تو وہی پرانا قصہ سمجھے جاتے ہیں اور نئے کاموں میں تحریک کرنیوالوں کو
بھی زیادہ مزہ آتا ہے اور بعض دینے والوں کو بھی غالباً جدت میں ایک لذت معلوم ہوتی ہے۔ یا شاید یوں
کہنا چاہیئے کہ فطرت انسانی کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو یہ بات قابل توجہ ضرور ہے کہ
جن کاموں کا بجٹ میں اعلان کیا جاتا ہے وہ پورے نہیں ہونے پاتے۔ مثال کے طور پر میں یہ کہتا ہوں
کہ اعتراض ہونیکا تو جلدی ہو جاتا ہے کہ ابتک جلسہ اعظم مذاہب و الا لیکچر جسکے کتابی صورت میں شائع کرنیکی
خبر دیر سے نکل رہی ہے شائع نہیں ہوا۔ انجمن سستی کر رہی ہے۔ مگر ان واقعات پر غور کرنیکے لیئے طبائع متوجہ
نہیں ہوتیں جنسے یہ توقف پیدا ہوتے ہیں۔ اگر جیسا انجمن کے بجٹ میں اندازہ کیا گیا تھا اشاعت اسلام کیلئے تخمینہ کے مطابق
یا تین چوتھائی تخمینہ کی بھی آمد ہو جاتی تو اب جب سب امور اس لیکچر کے متعلق طے ہو چکے تھے یعنی مسودہ
لکھا جا کر اسپر نظر ثانی ہو چکی تھی اور اجرت کا بھی ایک گونہ فیصلہ ہو چکا تھا انجمن فی الفور اس کام کو ہاتھ
میں لے سکتی تھی مگر اب جب سب امور طے ہو چکے ہیں تو اس بات کا انتظار ہو کہ روپیہ فراہم ہو جائے۔
اس روپے کی تحریک گو بظاہر ایک غیر معمولی تحریک معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل یہ بجٹ کے نقص کو پورا کرنیکے
لیئے ایک تحریک ہے۔ ایسا ہی حال تعمیر بورڈنگ ہوس کا ہے۔ پندرہ لاکھ اینٹ پکی پڑی ہے مگر اب آگے
کام چلانیکے لیئے جبتک دس پندرہ ہزار روپیہ ہاتھ میں نہ ہو کام شروع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کام جب شروع
ہو گا وسیع پیمانے پر ہی ہو گا ورنہ اسکے شروع کرنے میں بھی نقصان ہے۔ یہ باتیں سرسری نظر سے دیکھنے
کی نہیں بلکہ جملہ انجمنہائے احمدیہ اور دیگر اہل الرائے احباب کا فرض ہے کہ وہ ان امور پر غور کرکے کوئی تجاویز
پیش کریں تاکہ یہ مشکلات حل ہو سکیں۔

اشاعت اسلام کی رپورٹ میں ہی میں بکڈپو کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں۔ بکڈپو میں بعض کتابیں تو
امسال بذریعہ خرید داخل ہوئیں مگر دو کتابیں انجمن نے خود چھپوائی تھیں۔ انمیں سے پہلی کتاب جلسہ سالانہ
صدر انجمن کی تقریروں کا مجموعہ ہے جسمیں صدر انجمن کی مفصل سالانہ رپورٹ بھی ہے۔ اس کتاب کے لیئے
بعض انجمنوں کی طرف سے اور احباب کی طرف سے خاص تحریک ہونے پر یہ کام انجمن نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اور
جن احباب یا انجمنوں نے یہ تحریک پیش کی تھی انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ مجموعہ تقاریر اگر سستی قیمت پر بیچا جاوے تو ہاتھوں ہاتھ
نکل جاویگا۔ اسکو چھپ کر تیار ہوئے اب کوئی چھ ماہ کا عرصہ گذرتا ہو گا۔ اور ایک ہزار کتاب چھاپکر قیمت

صرف اسقدر رکھی گئی تھی جسقدر بحساب اوسط فی کتاب لاگت آئی تھی - اب جب ہم اسکی فروخت کی طرف دیکھتے ہیں تو اس سارے عرصہ میں صرف اسّی کتابیں فروخت ہوئی ہیں - بالفاظ دیگر یہ کہنا چاہیئے کہ اس کتاب کے چھپوانے سے مالی طور پر انجمن کو قریب دو صد روپے کے نقصان ہوا - لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسّنی السوء کو پڑھکر کوئی اسپر افسوس تو نہیں کرسکتا مگر غالباً آئندہ کے لیئے انجمن کو اس سے سبق لینا ضروری ہو - کیونکہ یہ روپیہ کسی اور مفید مصرف میں لگایا جاسکتا تھا - ایک دوسری کتاب اظہار حق سکھ مذہب اور اسلام پر انجمن کی طرف سے ابھی شائع ہوئی ہے گو اس کتاب کا اصل مقصد صرف اشاعت اسلام ہی ہے اور اسلیئے بہت سی کاپیاں مفت تقسیم کرنی پڑیں گی کیونکہ یہ کتاب دراصل ٹریکٹ سیریز میں شائع ہوئی ہے اور اسکے اخراجات کے لیئے حضرت خلیفۃ المسیح نے روپیہ دیا تھا مگر حضرت مولویصاحب کے ایما سے ہی اسکی کچھ قیمت بھی مقرر کردیگئی تھی جو بالکل لاگت کے قریب تھی تاکہ کچھ روپیہ لاگت کا وصول ہو کر اشاعت اسلام کے دوسرے کاموں میں مدد ملے اور اشاعت کے مزید خرچ کیلیئے بھی کچھ آجائے مگر اسکی طرف بھی احباب کی توجہ مجموعہ تقاریر سے زیادہ نہیں ہوئی کیونکہ ابتک صرف بیس کاپیاں فروخت ہوئی ہیں اور پچاس کے قریب مفت تقسیم کرنیکا انتظام کیا گیا ہے - بہرحال یہ امر قابل غور ضرور ہے کہ اگر وہ کتابیں بھی معقول تعداد میں فروخت نہ ہوں جنکی قیمت لاگت کے قریب قریب رکھی جاتی ہے تو پھر لاگت سے چہار چند یا اس سے بھی زیادہ قیمت رکھنے کے اصول کو صحیح تسلیم کرنا پڑیگا جسکی ہمارے دوستوں کو ابتک شکایت رہی ہے

بک ڈپو میں جیساکہ ماہ گذشتہ میں اعلان کیا گیا تھا - سات سو کے قریب براہین احمدیہ میاں معراج الدین صاحب عمر نے دی ہے - جزاہ اللہ خیراً - اس کتاب کی قیمت بلاجلد تے ر سے غالباً زیادہ تھی - اور تے ر اس کتاب کی قیمت رکھنے کا ارادہ بھی تھا مگر چونکہ میاں صاحب کے پاس جو کچھ کتابیں باقی رہ گئی ہیں انکی قیمت انہوں نے عہ ر کردی ہے جسکا اعلان بدر میں ہورہا ہے - للذا یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ انجمن کی بک ڈپو میں زیادہ قیمت پر فروخت ہو پس یہ کتاب بالفعل اسی ارزاں قیمت یعنی عہ ر پر فروخت ہوگی - مگر یہ رعایت غالباً ایک ماہ سے زیادہ نہ رہ سکیگی جو احباب چاہیں عہ ر پر یہ ضخیم کتاب ایک ماہ کے اندر اندر طلب کرسکتے ہیں - قیمت میں اسقدر تخفیف ہو جانے پر بھی جو احباب اس نایاب گوہر کو حاصل کرنیکی کوشش نکریں گے وہ غلطی کریں گے - ماہوار گوشوارہ کا ذکر میں اوپر کرچکا ہوں اسکو احباب بغور ملاحظہ فرماویں - لنگرخانہ - مساکین - یتامیٰ

زکوٰۃ ان چاروں مدات کی آمد بہت کم ہوتی جارہی ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق بالخصوص صاحب نصاب احباب توجہ فرماویں
عمارت کے متعلق میں بہت کچھ اوپر لکھ چکا ہوں حضرت میر ناصر نواب صاحب نے ہسپتال کیلئے چندہ کرنے میں
اردگرد کے دیہات میں اسقدر صعوبت اپنے نفس پر برداشت کرکے روپیہ جمع کیا ہے کہ انکے اس
للّٰہی جوش پر میں حیران ہوں قریب ڈیڑھ ہزار کے چندہ ہو چکا ہے جس میں مسجد کا چندہ بھی
شامل ہے۔ چونکہ بورڈنگ ہوس کے باہر بننے کے ساتھ ہسپتال اور مسجد کا وہاں ہونا ضروری تھا
اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہر دو کیلئے یہ سامان پیدا کر دیا ہے۔ اور مسجد کیلئے تو قریب تین ہزار روپے
کی رقم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کے زیور کے فروخت سے عنقریب وصول ہوکر
امید ہے کہ یہ کام بہت جلد شروع ہو جائیگا۔ اسی سلسلۂ تعمیر میں چودھری غلام حسین صاحب
ساکن چک قاضی والہ کا ذکر بھی ضروری ہے جنہوں نے اپنی جائداد کا حساب کرکے پندرہ سو روپیہ وصیت کا
نقد داخل کرنیکا ارادہ کیا ہے جس میں سے ایک ہزار وہ بھیج بھی چکے ہیں اس روپے سے انکا
منشا ہے کہ ایک کمرہ بورڈنگ ہوس کا بنجائے جسکا کرایہ چودھری صاحب کی حین حیات انہیں
ملتا رہے اور بعد میں یہ مکان انکی وصیت کے مطابق انجمن کی ملکیت ہوگا۔ ان سے پہلے چودھری نصر اللہ
خانصاحب نے اسی طرح پر تین ہزار سے اوپر روپیہ انجمن کو دیا جس سے دو کمرے بورڈنگ ہوس کے بنائے
جائینگے۔ مگر انکا کرایہ چودھری صاحب نے خود لینا پسند نہیں کیا بلکہ یہ مکان ابھی سے انجمن کی ملکیت ہونگے
اور انکا کرایہ بھی انجمن ہی لے گی۔ اگر دس پندرہ احباب اور اس طرز سے اپنی وصایا کا روپیہ جمع
کرادیں تو بورڈنگ ہوس قوم پر مزید بوجھ پڑنے کے بدون ہی بن سکتا ہے۔

بجٹ ۱۹۰۹ء-۱۹۱۰ء بار اول مجلس معتمدین میں منظور ہو چکا ہے۔ سال گذشتہ کے قریب گیارہ ہزار روپے
ماہوار آمد و خرچ کے بالمقابل کمی آمد کو ملحوظ رکھکر اس بجٹ میں قریباً نو ہزار روپے ماہوار آمد و
خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ یعنی کل بجٹ ایک لاکھ سات ہزار روپے کے قریب ہے۔

واعظ شیخ غلام احمد صاحب ضلع کانگڑہ کا دورہ کر چکے ہیں۔ اب تجویز ہے کہ انہیں ممالک متحدہ
میں بھیجا جاوے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ یکم ستمبر سے کھل جاوینگے۔ بورڈنگ ہوس کی عام نگرانی اور
تعلیم کی نگرانی کا یکم ستمبر سے خاص انتظام کیا جاویگا۔ چونکہ سالانہ امتحان قریب ہے اسلئے سب احباب
مطلع رہیں کہ مدرسہ کھلنے سے پہلے پہلے اپنے بچوں کو بھیجدیں۔ بورڈنگ ہوس میں اخراجات خوراک کی تعیین کے سوال پر بھی جملہ احباب اور انجمنیں خاص توجہ فرما کر رائوں
سے مشکور فرما دیں۔ (سکرٹری)